دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ

• مقصد و منہاج • نظام و نصاب • اور طریقۂ تدریس

حسبِ ایماء
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند و صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ

مرتب
جناب مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
ناظم عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ و استاذ دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ
مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ

مقصد ومنہاج ❁ نظام ونصاب

اور طریقۂ تدریس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب	:	دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ، مقصد ومنہاج، نظام ونصاب اور طریقۂ تدریس
حسب ایماء	:	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ
ترتیب وپیش کش	:	جناب مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی ناظم عمومی رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ واستاذ دارالعلوم دیوبند
صفحات	:	۲۱۶
کمپوزنگ	:	مولوی محمد فردوس عالم بانکوی، کارکن مرکزی دفتر رابطۂ مدارس
سن اشاعت	:	۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء

شائع کردہ:

مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

عنوان:	صفحہ	عنوان:	صفحہ
رائے عالی	۷	مدارسِ اسلامیہ کے لیے ضابطۂ اخلاق	۳۴
پیش لفظ	۹	سرکاری امداد سے اجتناب ضروری	۳۶
اسلام اور علم	۱۲	سرکاری مدرسہ بورڈ کے نقصانات	۳۷
دارالعلوم دیوبند کا قیام	۱۴	مدارسِ اسلامیہ کے داخلی نظام کو مستحکم...	۴۰
دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟	۱۶	اربابِ مدارس کے لیے قیمتی نصائح	۴۱
قیام کے اغراض ومقاصد	۱۶	مدرسہ میں اہل کمال مدرسین کے تقرر کی ضرورت	۴۳
دارالعلوم کی تاسیس، منظم اور منصوبہ بند تحریک	۱۷	معیارِ تعلیم وتربیت اور داخلی نظام بہتر...	۴۳
دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کا مقصد فکرِ آخرت ہے	۱۸	مدرسے کا حساب ہر شخص لے سکتا ہے	۴۴
دارالعلوم دیوبند کا مایۂ ناز	۱۸	مقاصد تاسیس سے ہم آہنگ نصاب تعلیم	۴۵
دارالعلوم کا قیام الہامِ خداوندی	۱۹	عربی درجات کا نصاب	۴۷
دارالعلوم کی شانِ تجدید	۲۰	درس نظامی سے عقل میں خاص ترقی	۴۹
دارالعلوم دیوبند کا مزاج ومذاق	۲۰	درس نظامی	۴۹
مدارس اسلامیہ کا نصب العین	۲۱	نصابِ تعلیم اور درس نظامی	۴۹
مدارس کا فیضان	۲۲	مدارس میں درجہ پنجم تک پرائمری تعلیم کا انتظام	۵۰
مدارس دینیہ کی ضرورت واہمیت	۲۳	دارالعلوم دیوبند کا موجودہ نصاب تعلیم	۵۱
مدارس کے وجود کی برکات	۲۴	پیغمبر اسلام کی بعثت کا مقصد، تعلیم وتربیت	۵۸
مدرسہ اور تبلیغ	۲۴	حقیقتِ علم	۵۸
مدارس کی تعلیم	۲۴	ترتیبِ علم	۵۹
دارالعلوم نے دنیا کو کیا دیا	۲۵	علم نافع وعلم ضار	۵۹
فضلائے مدارس عربیہ کی چند امتیازی خصوصیات	۲۶	عمل کے بغیر تحقیقات ونکات بیکار	۶۰
علمائے دیوبند کی ہمہ جہت خدمات	۲۹	علم دنیا کے مقابلے میں علم دین پر فخر	۶۰
مدارس اسلامیہ کا داخلی نظام	۳۱	قومی ترقی کے لیے علم دین ضروری	۶۱
اصولِ ہشت گانہ	۳۱	خالص دینی مدارس کی شدید ضرورت ہے	۶۲
اصولِ ہشت گانہ کی تشریح	۳۳	مدارس کی تعلیم کا بنیادی مقصد	۶۳

عنوان:	صفحہ	عنوان:	صفحہ
مدارسِ اسلامیہ کا نظامِ تعلیم	۶۶	طالب علموں سے محبت	۸۷
نظامِ تعلیم کی بہتری کے لیے ضروری اور مفید تجاویز	۶۷	تعلیم وتدریس	۸۷
ہمارے اسلاف کا طرز تدریس	۶۸	طریقۂ تدریس سے متعلق چند گذارشات	۸۸
اندازِ تدریس	۶۸	تدریس وتحقیق کے رہنما اصول	۹۷
اکابر دارالعلوم دیوبند کا طریقۂ تدریس	۶۹	ضروری ہدایات برائے منتظمین ومدرسین	۱۰۱
حضرت شیخ الہندؒ کے حلقہ درس کی خصوصیات	۷۰	کامیاب تدریس کے زرّیں اصول	۱۰۳
شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا طریقۂ تدریس	۷۰	نظامِ تعلیم وتربیت کے استحکام میں.....	۱۰۸
حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی تدریسی خصوصیات	۷۱	نصابِ تعلیم سے زیادہ طریقۂ تعلیم میں..	۱۱۰
حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درس کی خصوصیات	۷۴	شاگردوں کی سمجھ کے مطابق تقریر کرنا	۱۱۳
حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا طرز تدریس	۷۵	طریقۂ تعلیم درجات عربیہ	۱۱۵
حضرت شیخ الحدیثؒ کا طرز تعلیم واصول	۷۶	طریقۂ تعلیم طبقہ اولیٰ	۱۱۶
حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ کی تدریس	۷۷	طریق تعلیم طبقہ وسطیٰ	۱۱۸
حضرت حکیم الامتؒ کے پڑھانے کا خاص طریقہ	۷۸	طریقۂ تعلیم طبقۂ علیا	۱۲۰
ناغے کی بے برکتی	۷۸	سبق میں جانے سے پہلے بھرپور مطالعہ:	۱۲۴
انضباطِ اوقات اور ہمت کی ضرورت	۷۹	نحو وصرف کی تدریس سے متعلق ضروری ہدایات	۱۲۶
طلبِ علم میں انہماک	۷۹	کتب فقہ کا انداز تدریس	۱۳۵
عالم کی تعریف	۸۰	تدریس کی دستور العمل	۱۳۷
علمائے کرام کا احترام	۸۱	درس وتدریس کا ایک اہم اصول	۱۳۸
علمائے کرام کا مقام	۸۲	مثالی مدرس کی صفات پر ایک نظر	۱۳۹
علمِ دین پڑھانے والا سب سے زیادہ سخی ہے	۸۳	تدریس میں امانت ودیانت	۱۴۲
معلم کے اخلاق	۸۳	مولوی کون ہے؟	۱۴۲
بے عمل عالم بدنامی کا سبب بنتا ہے	۸۴	مدرس کیسا ہو؟	۱۴۲
اہلِ علم اور طلبہ کو تقویٰ کی ضرورت	۸۵	دارالعلوم دیوبند کا مبارک دور	۱۴۲
تدریس کے دوران کسی سے بات کرنا خیانت ہے	۸۶	علمی استحضار	۱۴۳
زمانہ طالب علمی ہی سے عمل کا اہتمام کرنا چاہیے	۸۶	اساتذہ کے لیے چند ہدایات	۱۴۳

عنوان:	صفحہ	عنوان:	صفحہ
کامیاب استاذ کی صفات	۱۴۶	طلبہ عزیز کے لیے ضروری ہدایات	۱۷۰
ابتدائی تعلیم کے لیے ماہر مدرس کی ضرورت	۱۴۹	طلبۂ علوم نبوت کے آداب	۱۷۲
محض زیادتی تنخواہ کے لیے ترک ملازمت	۱۴۹	تربیت کا انوکھا انداز	۱۷۵
شاگردوں سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرنا	۱۵۰	اکابر کا انداز نصیحت	۱۷۵
اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالیں	۱۵۰	حضرت بنوری رحمہ اللہ کا انداز تربیت	۱۷۶
مدارس اسلامیہ کا نظام تربیت		تعلیم انسانیت	۱۷۷
مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت	۱۵۱	تین مبارک ماحول	۱۷۸
طلبہ کے لیے ضروری دستور العمل	۱۵۱	استاذ کی ٹوپی بھگو کر پی گئے	۱۷۸
طالب علم کا نصب العین	۱۵۳	بصیرت فی التعلم کے لیے بزرگوں کی صحبت	۱۷۸
طالب علم کا نصاب	۱۵۴	طلبہ کی مثالی تربیت	۱۷۹
نائبین رسول اللہ ﷺ کا احترام	۱۵۵	مجلس میں بیٹھنے کے مختلف آداب	۱۷۹
بچوں کی تربیت کا طریقہ	۱۵۷	بجلی کے استعمال میں احتیاط کرنا	۱۸۱
بچوں سے متعلق اصلاحی امور	۱۵۷	آلات علم کا ادب	۱۸۱
سبق یاد نہ ہونے کی شکایت کا علاج	۱۵۸	ایک طالب علم کی احتیاط کا واقعہ	۱۸۲
استاذ کی عظمت	۱۵۹	جمعہ کے دن کیا کرنا چاہیے	۱۸۲
علمی احسان:	۱۵۹	اوقات کی پابندی	۱۸۳
طالب علموں سے محبت	۱۶۰	مدارس عربیہ اور ان کے طلبہ کے....	۱۸۳
اگر استاذ کسی بات پر ناراض ہو تو....	۱۶۰	اصلاح نفس کا طریقہ اور دستور العمل	۱۸۴
اہل علم اور استاذ کے ساتھ ادب وتواضع..	۱۶۱	مشائخ کی خدمت ضرورت اور اس کے فوائد	۱۸۵
استاذ کا حق پورا نہ کرنے کے متعلق...	۱۶۲	صحبت اہل اللہ کا فائدہ	۱۸۶
اساتذہ کے بعض آداب وحقوق	۱۶۳	صحبت کے موثر ہونے کے آداب	۱۸۶
خدمتِ استاذ کی برکات	۱۶۴	استاذ نے اپنے شاگرد سے اصلاحی تعلق قائم کیا	۱۸۷
ادب واحترام سے خیر وبرکت کا دروازہ کھلتا ہے	۱۶۵	شاگردوں پر شفقت اور نرمی	۱۸۸
آداب درس	۱۶۶	طالب علم سے اپنے بیٹے سے زیادہ محبت	۱۸۹
درس میں بیٹھنے کے آداب	۱۷۰	شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی	۱۸۹

عنوان:	صفحہ	عنوان:	صفحہ
شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی طلبہ پر شفقت	۱۹۰	حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی	۲۰۷
حضرت نانوتویؒ اور شوقِ علم	۱۹۱	حضرت شیخ الہندؒ کی تواضع	۲۰۸
مطالعہ کرنے کا طریقہ	۱۹۲	خدمتِ خلق کا عجیب واقعہ	۲۰۹
مطالعہ صرف محققین کی کتابوں کا کرنا چاہیے	۱۹۳	اکابر علماء دیوبند کی خدا ترسی	۲۰۹
دورِ قدیم کے طلبہ	۱۹۴	اصاغر نوازی اور اختلاف کی حدود	۲۱۱
معمولات زندگی	۱۹۵	حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ کا تقویٰ	۲۱۲
اکابر واسلافؒ کی طالب علمی		دار العلوم دیوبند کیا ہے؟	۲۱۳
امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حسن ادب	۱۹۶	مدارسِ اسلامیہ اپنا داخلی نظام بہتر بنائیں	۲۱۴
امام شافعی رحمہ اللہ کی طالب علمی	۱۹۶	ادیان باطلہ اور فرق ضالہ کے تعاقب کی...	۲۱۵
امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طالب علمی	۱۹۷	❋❋❋	
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ	۱۹۷		
مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے ادب کا حال	۱۹۸		
حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حسن ادب	۱۹۸		
حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب اور ذوق مطالعہ	۱۹۸		
حضرت تھانویؒ طالب علمی کے معمولات	۲۰۰		
اکابر رحمہم اللہ کے خصوصی امتیازات	۲۰۲		
توکل علی اللہ سے ہر چیز ملتی ہے	۲۰۲		
اہل علم کو استغناء کی ضرورت	۲۰۲		
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شان استغناء	۲۰۳		
توکل واستغناء	۲۰۴		
علم کی عزت استغناء میں ہے	۲۰۵		
حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا استغناء	۲۰۶		
حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا استغناء	۲۰۶		
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تواضع	۲۰۷		
حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا کمالِ احتیاط	۲۰۷		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رائے عالی

گرامی قدر حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زیدمجدہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ

۱۴۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں منعقد مدارسِ اسلامیہ کے ایک ملک گیر اجلاس میں، مدارسِ اسلامیہ کے نظام کو فعال بنانے کے لیے رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور اس کا مرکزی دفتر دارالعلوم دیوبند میں قائم کردیا گیا۔

رابطۂ مدارس کے بنیادی مقاصد میں مدارس اسلامیہ کے نظامِ تعلیم وتربیت کو بہتر بنانا، باہمی ربط واتحاد کو فروغ دینا اور مدارس اسلامیہ کی داخلی وخارجی مشکلات کا ازالہ وغیرہ امور شامل ہیں۔

رابطۂ مدارس کے قیام کے بعد سے اب تک مدارس اسلامیہ کے متعدد اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوچکے ہیں، ان میں مدارس اسلامیہ کے نظام کے استحکام، معیارِ تعلیم کی بہتری، مدارس کے نصب العین اور حقیقی کردار کے تحفظ وبقاء باہمی ربط واتحاد کے فروغ، داخلی وخارجی مسائل ومشکلات کے حل کے سلسلہ میں اجتماعی غور وخوض کیا جاتا رہا ہے اور اہم فیصلے صادر ہوتے رہے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ رابطۂ مدارس اسلامیہ کی مجلس عمومی کے کل ہند اجلاس منعقدہ:

۲۳/جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲/مارچ ۲۰۱۸ء کے موقع پر رابطہ مدارس اسلامیہ کے ناظم عمومی جناب مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم دیوبند نے زیر نظر رسالہ ”دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ: مقصد ومنہاج، نظام ونصاب اور طریقۂ تدریس“ تحریر فرمایا ہے، جس میں دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ کے اغراض ومقاصد، مزاج ومنہاج، مقاصد عالیہ سے ہم آہنگ نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم وتربیت، طریقۂ تدریس، داخلی نظام کے استحکام، نیز اکابر واسلاف کرام رحمہم اللہ کی تحریرات اور بیانات سے تعلیم وتربیت کی بہتری کے لیے اساتذۂ کرام کو ضروری مشورے، طلبۂ عزیز کو ہدایات، اکابرِ دارالعلوم کے خصوصیات وامتیازات پر مشتمل ضروری معلومات اور مواد جمع کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ، موصوف کی یہ کوشش قبول فرمائے، جزاء خیر عطا فرمائے اور رسالے میں مذکور رابطۂ مدارسِ اسلامیہ کی تجاویز اور سفارشات کی روشنی میں نظامِ تعلیم وتربیت کو استوار اور مستحکم رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

(حضرت مولانا مفتی) **ابوالقاسم نعمانی غفرلہ** (صاحب، زیدمجدہم)
مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ
۱۵/جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ
۴/مارچ ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دارالعلوم دیوبند اوراس کے نہج پر قائم مدارسِ اسلامیہ نے برصغیر میں اسلام کی حفاظت واشاعت، اسلامی علوم کی تعلیم وترویج، عقائد وشعائرِ اسلام کے دفاع، ملت اسلامیہ کی دینی وملّی ضروریات کی تکمیل، ملک وملت کی تعمیر وترقی اور مسلم معاشرہ کی اصلاح میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر واسلاف ہی تھے جن کے یقین محکم، عمل پیہم، اور مساعی جمیلہ کی بدولت اسلام دشمن طاقتوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ہندوستان کو دوسرا اسپین نہیں بنایا جاسکا۔

مدارس اسلامیہ کے کردار کو مزید موثر، فعال اور تابناک بنانے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی زیر قیادت ۱۴۱۵ھ میں مدارس اسلامیہ کی کل ہند تنظیم رابطہ مدارس اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا، جس کے بنیادی اغراض ومقاصد میں مدارس اسلامیہ کے نظام تعلیم وتربیت کو بہتر بنانا، مدارس اسلامیہ کے داخلی وخارجی مشکلات کا ازالہ، مدارس کے درمیان ربط واتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ دینا، اسلامی تعلیم اوران کے مراکز کے خلاف کی جانے والی کوششوں اور سازشوں پر نظر رکھنا وغیرہ امور شامل تھے۔

رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ کے مقاصد عالیہ کے حصول اوراس کے نظام کو دستور العمل کے مطابق فعال وسرگرم رکھنے کے لیے رابطہ کی دو مجلسیں قائم ہیں، ایک مجلس عمومی جو تین ہزار سے زیادہ رکن مدارس کے ذمہ داران ونمائندگان پر مشتمل ہے، اور دوسری مجلس عاملہ جو، ۳۱/نمائندگان مدارس، ۱۰/حضرات ارکان شوریٰ، دس اساتذۂ دارالعلوم پر مشتمل ہے، اب تک مجلس عمومی کے ۱۳/اور مجلس عاملہ کے ۱۲/اہم اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد کیے جاچکے ہیں، جن میں نظامِ تعلیم وتربیت کے استحکام، تحفظ مدارس کے حوالہ سے درپیش خطرات، باہمی ربط واتحاد کے فروغ، داخلی نظام کی بہتری، عقائد اور شعائر اسلام کے دفاع، فرقِ باطلہ وضالّہ کا تعاقب اور مسلم معاشرے کی اصلاح وغیرہ موضوعات پر ٹھوس اور اہم تجاویز منظور کی گئی ہیں۔

الحمدللہ! رابطہ مدارس، گرامی قدر محترم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ کی قیادت وسرپرستی میں سرگرم عمل ہے اور حضرت والا کی ہدایت اور مشوروں کے مطابق خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہے۔

مورخہ: ۲۳/جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۱۲/مارچ ۲۰۱۸ء کو مدارسِ اسلامیہ عربیہ کی مجلس عمومی کا اہم اجلاس منعقد ہورہا ہے، جس میں ملک کے تمام صوبوں سے ان شاء اللہ، مدارس اسلامیہ کے نمائندگان، حضرات علماءِ کرام ودانشورانِ ملّت، شرکت فرمائیں گے۔

حالیہ اجلاس کے موقع پر گرامی قدر محترم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی حسبِ ہدایت ناچیز نے زیر نظر رسالہ ''دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ: مقصد ومنہاج، نظام ونصاب اور طریقۂ تدریس'' مرتب کیا ہے۔

رسالہ میں دارالعلوم اور مدارسِ اسلامیہ کے اغراض ومقاصد، مزاج ومنہاج، مقاصد عالیہ سے ہم آہنگ نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم وتربیت، طریقۂ تدریس، داخلی نظام

کے استحکام، نیز اکابر واسلاف کرام رحمہم اللہ کی تحریرات اور بیانات سے تعلیم وتربیت کی بہتری، اساتذۂ کرام کو ضروری مشورے، طلبۂ عزیز کو ہدایات، اکابرِ دارالعلوم کے خصوصیات وامتیازات پر مشتمل ضروری معلومات اور مواد جمع کیا گیا ہے، جوان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

اس موقعہ پر بندہ بے حد ممنون وشکر گذار ہے کہ گرامی قدر محترم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ کا کہ حضرت والا نے رسالہ ملاحظہ فرمایا، قیمتی مشوروں سے نوازا اور اپنی رائے عالی تحریر فرما کر رسالہ کی قدر وقیمت میں اضافہ فرمایا۔

رسالے کی ترتیب، کتابت اور حوالوں کی تحقیق وغیرہ کے سلسلہ میں جناب مولانا محمد فردوس عالم صاحب بانکوی، کارکن مرکزی دفتر رابطہ مدارس کا بڑا تعاون شامل رہا، بندہ ان کا شکر گذار ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

یہ رسالہ ان شاء اللہ اجلاس کے مندوبین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبولِ عام عطا فرمائے، قارئین سے گذارش ہے کہ رسالہ چوں کہ بڑی عجلت میں مرتب کیا گیا ہے، اس لیے اگر کوئی فروگذاشت درآئی ہوتو اصلاح فرمادیں اور ناچیز کو مطلع بھی فرمائیں، بندہ ممنون ہوگا۔

شوکت علی قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم دیوبند
وناظم عمومی رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ
۱۵ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ
۴ر مارچ ۲۰۱۸ء

اسلام اور علم

الحمد لله ربّ العالمين، والصلاة والسلام على سيّد الأنبياء والمرسلين محمد وآله وصحبه أجمعين وبعد!

اسلام دینِ رحمت ہے جو ساری انسانیت کی دینی ودنیاوی فلاح وکامیابی کا ضامن ہے۔ اسلام مکمل ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی بھی ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے، لیکن اس سے مستفید اور فیض یاب ہونے کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ علم ہی وہ کنجی ہے جس سے اسلام کے دینی، علمی، ثقافتی، ملی اور روحانی اثاثے تک رسائی ہوسکتی ہے، اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ محسن انسانیت، سرور عالم ﷺ پر پہلی وحی میں درج ذیل پانچ آیات نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے:

"اقرأ باسم ربّك الذی خلَق، خلَق الانسانَ مِن عَلَقٍ، اِقرأ وربُّك الاَکرَمُ، الذی علَّم بالقَلَمِ، علَّمَ الانسانَ مَالَم یَعلَمُ" (العلق:۱تا۵)

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "انما بُعِثتُ مُعَلِّماً" (سنن ابن ماجہ/ باب فضل العلماء)
مجھے بھیجا ہی گیا ہے معلّم بنا کر۔

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر محسن انسانیت ﷺ نے مکی زندگی میں تمام تر دشواریوں کے باجود قرآن کریم کی تعلیم کا نظم فرمایا، پھر مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد، مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی تو اس میں ایک مخصوص صفہ (چبوترہ) اس لئے بنایا گیا تاکہ صحابہ کرامؓ وہاں قیام فرما کر، قرآن وحدیث اور دینی مسائل کی تعلیم حاصل کرسکیں، صفہ: اسلامی تاریخ کا پہلا مدرسہ قرار پایا، صفہ میں رہ کر مشکوٰۃ نبوت سے براہِ راست فیض یاب ہونے والے حضرات صحابہؓ جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ دنیا کے اطراف واکناف

میں پہنچے اور قرآن وحدیث کے انوار وبرکات سے دنیا کو معمور فرمایا۔ مسجد کے زیر سایہ دینی تعلیم وتربیت کا نظام قائم کیا، جہالت وناخواندگی کا قلع قمع کیا اور علوم قرآن وحدیث کی روشنی سے چپے چپے کو فیض یاب اور مستنیر کیا، امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمے میں لکھا ہے:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، عالم اسلام کے اطراف واکناف، بلاد وامصار اور سرحدوں میں امارت، قضاء اور تبلیغ احکام کے سلسلے میں پھیل گئے، ان میں سے ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا، دیکھا اور یاد کیا تھا سب کو عام کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا، اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا، لوگوں کو فرائض، احکام، سُنَن، حلال وحرام کی تعلیم دینے کے لیے، حسن نیت اور تقرب خداوندی کے جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کردیا اور اسی میں پوری زندگی بسر کی''۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل، ص:۸)

حضرات صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ کو امت کے بعد کے افراد نے بھی مشعل راہ بنایا اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں، خود ہندوستان میں جب مسلمانوں کے قدم پہنچے تو انھوں نے یہاں کے چپے چپے کو علم کی روشنی سے مالا مال کردیا، ہر دور میں اسلامی علوم کی تعلیم واشاعت کا خصوصی نظام قائم رہا، سلاطین ہند نے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے انتظامات کیے، جگہ جگہ حکومت کے زیر انتظام ونگرانی مدرسے قائم کیے گئے، سلطان محمد تغلق کے زمانے میں صرف دہلی واطراف میں ایک ہزار مدرسے تھے، دیگر سلاطین کے عہد میں بھی دینی تعلیم کی نشر واشاعت کا اہتمام جاری رہا۔ (تاریخ دارالعلوم، ص:۲۷ ج:۱)

مغلیہ دور حکومت میں بھی تعلیم کے فروغ کا خاص انتظام کیا گیا، علماء ومشائخ کا بڑا پاس ولحاظ تھا، مدارس کے لیے جاگیریں وقف تھیں، علماء کرام کے وظائف جاری تھے۔ ان اسلامی مدارس میں بنیادی طور پر جن علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی ان میں صرف، نحو،

بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، کلام، حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور اصول تفسیر شامل تھے۔ کبھی ان فنون کے ساتھ ہیئت، حساب، اقلیدس، طب، ادب، انشاء، فرائض، اخلاق، تصوف اور مناظرہ وغیرہ کی تعلیم بھی دی گئی تھی۔ (نصاب تعلیم دارالعلوم دیوبند، ص:۱)

۷/ مارچ ۱۸۳۵ء لارڈ میکالے کی صدارت میں مشرقی زبانوں کی جگہ انگریزی زبان میں تعلیم کے مسئلہ کو طے کرنے کے لیے بنی کمیٹی کا اجلاس ہوا، اراکین میں اختلاف رائے تھا، ایک فریق انگریزی زبان میں تعلیم دئے جانے کا مخالف تھا، دوسرا حامی، دونوں فریق کے ووٹ برابر ہوئے، تب لارڈ میکالے نے اپنا فیصلہ کن ووٹ انگریزی زبان کی تعلیم کی تائید میں دیا، اور اس طرح انگریزی کے اجراء کا فیصلہ ہوگیا، اور لارڈ میکالے کا نظریۂ تعلیم ملک پر تھوپ دیا گیا۔

اس تعلیمی پالیسی کے پس پردہ کیا مقاصد تھے وہ لارڈ میکالے کی زبانی سنئے:

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر مذاقِ رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص:۱۷۱)

حضرات اکابر دیوبند نے لارڈ میکالے کے نظریۂ تعلیم کو ناکام بنانے اور اعلیٰ تعلیمی وتربیتی مقاصد کے لیے دارالعلوم دیوبند قائم فرمایا، کہ ایسے افراد تیار کیے جائیں جو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی، ایرانی، ترکستانی، افغانی وغیرہ ہوں، لیکن ذہن وفکر اور دل ودماغ کے اعتبار سے حجازی اور محمدی ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام:

برطانوی سامراج کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جدوجہدِ آزادی ناکام ہوچکی تھی، علماءِ حق کو چن چن کر قتل کیا جارہا تھا، سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوچکا تھا، شاطرانِ فرنگ پورے برصغیر پر اپنا قبضہ جماچکے تھے، اسلامی سطوت خاک میں مل چکی تھی، مسلمانوں کے دین و

ایمان پر شب خون مارا جارہا تھا، اسلامی تہذیب کے نقوش مٹنے لگے تھے، پوری ملتِ اسلامیہ مایوسی وکس مپرسی کا شکار تھی، اسلامی نظام تعلیم ختم ہو چکا تھا، برطانوی تعلیمی پالیسی کا نفاذ ہورہا تھا، برصغیر کو دوسرا اسپین بنانے اور اسلام اور مسلمانوں کو دیس نکالا دینے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں کہ دیوبند کے افق سے امید کی روشن کرن پھوٹی، اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی، اسلام اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کا سامان پیدا فرمایا اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) اوران کے رفقاء کار حضرات کے دلوں میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں اسلامی قلعے کی تعمیر کا الہام فرمایا اور ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ، مطابق ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء کو ایک مبارک ومسعود ساعت میں دیوبند میں اس کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

یہ داغ بیل کن مبارک ہاتھوں سے ڈالی گئی، سنئے! محدث جلیل حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ صاحب فرماتے ہیں:

''یہ صالح ہستیاں منتخب روزگار تھیں، خدارسیدہ تھیں، انھیں نور بصیرت حاصل تھا، یہ عرفانِ شریعت سے آراستہ تھیں اور یہ اس مؤمنانہ فراست، حکیمانہ صلاحیت اور ملہمانہ بصیرت کا کرشمہ تھا کہ خداوند قدوس کے حکم سے دیوبند کی خاک پر علوم نبوت کی ایک درس گاہ عالم وجود میں آگئی، بادی النظر میں یہ ایک حقیر درس گاہ تھی لیکن فی الحقیقت یہ علوم ومعرفت کا عظیم سرچشمہ تھا اس میں بڑی جامعیت تھی، بڑی ہمہ گیریت تھی، یہ ایک دانش کدہ تھا، علم وعرفان کا مرکز عظیم اور امن وتقویٰ کا مظہر جلیل تھا، فکر وعمل کی بہترین جلوہ گاہ تھی، اوراس طائفۂ ولایت کے سرخیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے، کون محمد قاسم؟ جو اشارۂ ربانی کے رمزشناس تھے، جن کے باطنی محاسن اور جن کے اخلاقی مکارم نے کفر کی ظلمتوں کا سینہ چیر کر اس میں نور ایمان پیوست کیا تھا، اوران کے باطنی شعور اور فکری بلوغ سے ظلمت کدۂ ہند میں وحی الٰہی کی روشنی پھیلانے کا انتظام ہورہا تھا، پھر یہ اسلام کا بطل جلیل تنہا نہ تھا اس کی معاونت کے لیے دیگر رجالِ کار بھی

تھے، وہ کون؟ وہ حاجی سید عابد حسینؒ تھے وہ مولانا ذوالفقار علیؒ تھے وہ مولانا فضل الرحمانؒ تھے، یہ وہ بندگان خدا تھے جن کی اصابتِ فکر، جن کی جلالتِ علم اور جن کی فراست وفہم پر ماہ وپروین گواہ تھے''۔ (ہمارا تعلیمی نظام، ص:۱۳۴)

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟:

دارالعلوم دیوبند علوم کتاب وسنت کا امین، متاع دین و دانش کا نگہبان، اسلامی تعلیمات وروایات کا پاسبان، علم وعرفان کا سنگم، ہندوستان میں تحفظ دین کی اولین کوشش کا مظہرِ جمیل، علماء حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کی لازوال یادگار، اکابر کی آہ سحرگاہی ودعائے نیم شبی کا ثمرہ اوراسلام کی بقاء وتحفظ کا وہ عظیم مرکز ہے جس نے اسلامی علوم وفنون کی تعلیم و اشاعت، ملک وملت کی دینی ودنیاوی قیادت، تزکیۂ اخلاق، وعظ وتذکیر، تصنیف وتالیف، صحافت وخطابت، دعوت وارشاد، اور ملک کی آزادی کے سلسلے میں جو زریں خدمات انجام دیں ہیں وہ تاریخ کا روشن باب ہے، قیامِ دارالعلوم کے وقت منظّم کوشش جاری تھی کہ ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کو رختِ سفر باندھنے پر مجبور کردیا جائے، یہ دارالعلوم ہی تھا جس نے منظّم سازش کو ناکام بنایا اور ہندوستان کو دوسرا اندلس بنانے سے بچالیا۔

قیام کے اغراض ومقاصد:

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بنیادی مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ لارڈ میکالے نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو نظام تعلیم نافذ کیا تھا اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم وفنون کی حفاظت کی جائے۔ ایسے جاں نثار وسرفروش علماء کی کھیپ تیار کی جائے جو سخت سے سخت حالات میں علوم کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت، اسلامی تعلیمات کی حفاظت، ملک وملت کی تعمیر وترقی اور مسلمانوں کی اصلاح کی خدمات انجام دے سکیں، دارالعلوم دیوبند کے دستور اساسی میں دارالعلوم کے قیام کے مقاصد درج ذیل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد وکلام اور ان علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا، مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا اور رشد وہدایت اور تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی خدمت انجام دینا۔

(۲) اعمال واخلاقِ اسلامیہ کی تربیت اور طلبہ کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

(۳) اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ اور اشاعت اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم وتبلیغ کے ذریعے سے خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(۴) حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز، اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

(۵) علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق۔ (دستورِ اساسی دارالعلوم دیوبند، ص: ۵،۶)

دارالعلوم کی تاسیس، منظّم اور منصوبہ بند تحریک

اکابر نے دارالعلوم کے مقصد کو صرف درس وتدریس اور علوم دینیہ کی حفاظت واشاعت تک محدود نہیں رکھا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کا قیام ایک منظّم منصوبہ اور مذہبی تحریک کے طور پر عمل میں آیا تھا، جس کا مقصد علومِ دینیہ کی نشر واشاعت کے ساتھ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ وبقا تھا، دینِ صحیح کی دعوت وتبلیغ تھا اور مسلمانوں کے معاشرے کو رسوم وبدعات سے پاک کرکے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر گامزن کرنا تھا، گویا دارالعلوم کا قیام خدا کی آخری نعمت اسلام اور مسلمانوں کے بقاء وتحفظ کی ایک ہمہ جہتی کوشش اور ایک ہمہ گیر مذہبی تحریک کے طور پر عمل میں آیا تھا، جس کا سلسلہ آغاز سے آج تک بحمد اللہ جاری ہے، چناں چہ اکابر دارالعلوم میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، قطب العالم حضرت گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم

الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، بحر العلوم حضرت علامہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اور دوسرے بزرگوں نے ہمیشہ اسلام اور علوم اسلامیہ کی مثبت انداز میں بھی زبردست خدمات انجام دیں اور اسی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جب بھی کوئی فتنہ اٹھا تو انہوں نے میدانِ عمل میں نکل کر اس کا بھرپور مقابلہ کیا اور ہر فتنے کو روپوشی پر مجبور کیا۔ (خطبہ استقبالیہ جلسہ غلہ اسکیم، از حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، منعقدہ: ۱۹۹۸ء، از مجموعہ خطبات صدارت، ص: ۵۲)

دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کا مقصد فکرِ آخرت ہے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں یہ مضمون فرمایا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسے کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علومِ معاش کا کچھ انتظام نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں، نہ ہم نے دعویٰ کیا کہ اس میں تمام علوم کی تعلیم ہوگی یہ تو صرف ان کے لیے ہے جن کو فکرِ آخرت نے دیوانہ بنایا ہے۔ (حسن العزیز، ج:۲، ص:۱۵۳)

دارالعلوم دیوبند کا مایۂ ناز

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ایسے خلوص سے رکھی گئی تھی کہ اب تک اس کا اثر ہے، بڑے بڑے مدرسے دیکھے، مگر آخر کار کچھ بھی نہ دیکھا، مدرسۂ دیوبند کی تعلیم کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ اگر اس مدرسے کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل کی گئی تو اس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا، جو اس مدرسے کا مایۂ ناز ہے، پھر فرمایا کہ مولانا عبدالرحیم

صاحب فرماتے تھے کہ مدرسۂ دیوبند میں جمہوریت کی شان ہے، اس میں چاہے کوئی خاص شخص نہ ہو، مگر یہ باقی رہے گا، چناں چہ اس کی حفاظت کا کچھ مستقل انتظام نہیں، جو کوئی اس کی خدمت کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے، اس کی حالت اسلام کی سی ہے۔ اگر کوئی بادشاہ بھی مسلمان ہوجائے تو اس نے اپنے لیے بہتری کی، اسلام کا کیا بڑھ گیا، کچھ بھی نہیں۔ (حسن العزیز، ج:۲،ص:۲۴۹)

دارالعلوم کا قیامِ الہامِ خداوندی:

دین کا بقاء علم دین کے بقاء سے ہوسکتا ہے، اور اگر یہ باقی نہ رہے اور مسلمانوں کی قوت وشوکت باقی بھی ہو تو قابل اعتناء نہیں، تو وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا ادارہ ضروری ہے، ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر جمع ہوئے تھے، دین کے بارے میں فکر دامن گیر تھی، تو کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ قائم ہو، کسی نے کہا مجھے کشف ہوا ہے کہ مدرسہ قائم ہونا چاہیے۔ غرض تمام اولیاء اللہ کا اجماع منعقد ہوا کہ ادارہ قائم ہو، تو ایک رسمی صورت نہ تھی، بلکہ غیبی اور باطنی صورت تھی، الہامی اور کشفی صورت تھی، چناں چہ الہام خداوندی کے تحت اس مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔ (جواہر حکمت:۱۵۹)

حضرت مولانا یٰسین صاحب دیوان جی حضرت قاسم العلومؒ کے خادم خاص اور معتمد علیہ تھے، جب حج کو گئے، مکہ معظّمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں جانا ہوا جو پورے مشائخ کے شیخ اور مرشدِ طریقت تھے تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ ہمارے مدرسے کے لیے بھی دعا کریں، حضرت حاجی صاحب نے یہ سن کر تعجب سے فرمایا:

''چہ خوب! پیشانیاں تو برسوں ہم نے رگڑیں، راتوں بھر سجدے ہم نے کیے، دعائیں ہم نے مانگیں، اب جب مدرسہ قائم ہوا تو مدرسہ آپ کا ہوگیا، اور پھر فرمایا کہ

ہمارا خیال مدرسے کا تھانہ بھون یا نانوتہ میں قائم کرنے کا تھا، ہمیں کیا خبر تھی کہ دیوبند والے یہ غنیمت لے اڑیں گے''۔

تو مدرسۂ دیوبند کا قیام ہنگامی حالات اور مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ اکابر کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں، سجدے کیے جارہے تھے، راتوں کو دعائیں مانگی جارہی تھیں، حق تعالیٰ نے قبول فرمایا، معلوم ہوا کہ الہامِ غیبی سے مدرسہ قائم ہوا۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج:۶)

دارالعلوم کی شانِ تجدید:

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آتا ہے:

"إنّ اللّٰہَ یَبعَثُ لِھٰذہ الأمة علیٰ رأسِ کل مئةِ سنةٍ مَنْ یُجَدِّدُ لھا دِیْنَھا" (الحدیث)

ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد آئے گا جو دین کو نکھارے گا۔ عقائد واعمال اور کلیاتِ دین میں لوگ جو فرق وخرابی ڈالیں گے، مجدد ہر صدی میں آکر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردے گا۔ تو فرمایا کہ مجدد کے لیے فرد واحد ہونا شرط نہیں، جماعت بھی مجدد بن سکتی ہے اور فرمایا کہ دارالعلوم کے بانی حضرات: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ ان سب کی حیثیت مجدد کی سی ہے اور ان حضرات کا مظہر اتم دارالعلوم ہے۔ گویا دارالعلوم کی حیثیت مجدد کی سی ہے، جس نے بدعت، سنت کو الگ الگ کیا، دین کو خلط ملط وغل وغش سے پاک صاف کردیا، مسائل میں جو خلط لوگوں نے کیا تھا اسے نکھار نکھار کر پاک صاف کردیا، یہ ایک کیفیت ہے دارالعلوم دیوبند کی۔ (تحفۃ المدارس، ج:۱،ص:۱۰۸)

دارالعلوم دیوبند کا مزاج ومذاق:

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اس نصابِ تعلیم کو پڑھ کر اور اس

کے اکابر رحمہم اللہ کے فہم وفراست، زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور خدمتِ خلق وغیرہ
کمالات سے استفادے کے نتیجے میں ایسی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیات پیدا ہوئیں
جو کسی اور ادارے سے پیدا نہیں ہوئیں، اس کی وجہ دارالعلوم دیوبند کے امتیازات و
خصوصیات ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: پہلی خصوصیت یہ
ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک درس گاہ نہیں بلکہ ایک خاص نظریہ اور ایک طرزِ عمل اور تحریک
کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ دین سمجھانے کے لیے کتاب اللہ اور رجال اللہ
دونوں بھیجتا رہا ہے، اکابرِ دیوبند نے بھی نصابِ تعلیم پر اکتفاء نہ کیا؛ بلکہ علمی و دینی
تربیت پر بھی پوری توجہ دی، یہاں سے فارغ ہوکر نکلنے والے صرف ظاہری علوم سے
آراستہ نہیں ہوتے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے، جن کے
چہرے دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا جن کی ہر نقل وحرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی، دن کے
وقت یہاں علوم کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت یہاں کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر و
تلاوتِ قرآن سے گونجتا تھا، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علمائے دیوبند فضل وکمال،
تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ تواضع وللّٰہیت کا پیکر تھے، امانت وتقویٰ کا مجسمہ تھے، اسی طرح
دارالعلوم دیوبند کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور
دوسروں پر تنقید کے سلسلہ میں پیغمبرانہ اسلوب اختیار کیا جس میں مخالف کو زیر کرنے کے
بجائے اس کی دینی خیر خواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ (الرشید دارالعلوم نمبر، ص: ۱۴۵)

مدارسِ اسلامیہ کا نصب العین:

مدارسِ اسلامیہ کے تاریخی پس منظر سے ان کے اغراض ومقاصد کی نشان دہی بھی
ہوجاتی ہے۔ یعنی دینی تعلیمات کے تحفظ، کتاب وسنت کی اشاعت اور مسلم معاشرے
کی اصلاح وحفاظت کے لیے یہ اسلامی گروکل تعمیر کیے گئے ہیں، بالفاظِ دیگر علم وعرفان
کی یہ چھاؤنیاں اس غرض سے قائم کی گئی ہیں کہ ان سے دین کے سچے ومخلص خادم اور

اسلام کے جاں باز وجرأت مند سپاہی تیار کیے جائیں۔ جو اسلامی عقائد وشعائر اور دینی
اخلاق وروایات کے داعی ونقیب بنیں اور باطل طاقتوں کی فتنہ سامانیوں سے اسلام اور
مسلمانوں کی حفاظت کریں، اسی لیے ان مدارس کا نظامِ تعلیم خالص دینی رکھا گیا ہے،
اور ان کا مقصدِ تاسیس، نصب العین اور مطمحِ نظر دین اور صرف دین ہے اور وہ اسلامی
تعلیمات کی تدریس وترویج اور دینی عقائد وآثار کے احیا کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔
(خطبہ صدارت کل ہند اجلاس مجلس عمومی منعقدہ: جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ)

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”دینی درس گاہوں کا نصب العین، اس دینی تعلیم سے نہ روٹی ہے اور نہ کرسی ہے بلکہ
تہذیبِ نفس ہے کہ اس تعلیم سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو انسانیت کے سچے خدمت
گزار ہوں اور عالم بشریت کی بہی خواہی میں اپنی جان، مال اور آبرو کی کوئی پرواہ نہ
کرے، ظاہر ہے کہ ہمیں ان افراد کی کامیابی اور ناکامی اور ان اداروں کے کمال
ونقصان کو اسی معیار اور نصب العین سے جانچنا ہوگا جس کو لے کر یہ ادارے کھڑے
ہوئے ہیں، بلاشبہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم ان کو
سرکاری معیار سے جانچیں اور پھر ان کی تنقیص کریں“۔ (جواہر حکمت: ۱۶۸)

مدارس کا فیضان:

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند قائم کر کے جہاں
جہاں گئے مدارس قائم کرتے چلے گئے اور اپنے شاگردوں اور مریدین کو تاکید کی کہ
جہاں رہو، مدرسہ قائم کرو، آج ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں مدارس ہیں وہیں کچھ علم کی
روشنی پائی جاتی ہے، جہاں مدارس نہیں ہے، وہاں جس کا جو جی چاہے کہہ دیتا ہے، ظلمت
پھیلی ہوئی ہے، مستند علم کا نشان نہیں ہے“۔ (جواہر حکمت: ۱۷۸)

مدارس دینیہ کی ضرورت واہمیت:

شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ اسلامی مدرسے اس تاریکی کے زمانے میں کہ جہل عالم گیر ہے، بہ منزلۂ آفتاب و ماہتاب ہیں جو اپنے نور سے عالم کو منور کر رہے ہیں۔ غور کر کے دیکھو آج یہ اسلامی مدارس صفحۂ عالم پر نہ ہوتے تو کیا علومِ اسلامیہ عدم کو نہ سدھار جاتے اور بڑے بڑے شہروں میں بھی مسائل کا بتلانے والا نہ ملتا اور اب ان مدارس کی بدولت شہر شہر، قصبہ قصبہ بلکہ گاؤں گاؤں میں بھی علماء موجود ہیں۔ جو دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کر رہے ہیں، اور خلقت کو گمراہی سے بچا رہے ہیں، تو ایسے مدارس کو جو خلافتِ نبوت کی بجا آوری کر رہے ہیں کون ایسا مسلمان ہے جو عزت اور محبت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا، ان دینی مدارس کے وجود سے جس محلّہ میں ہوں اس کی عزت، جس شہر میں ہوں، اس کی عزت، بلکہ جس ملک میں ہوں اس کی عنداللہ اور عندالناس عزت وحرمت ہے، کیوں کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سچا خلیفہ وجانشین ہے جو آپ کے دین کی تبلیغ وتعلیم کر رہا ہے۔ تو جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ذرا سی بھی سچی محبت ہوگی اس کو بالضرور ان مدارس کے ساتھ محبت اور دلچسپی ہوگی اور مدارس کے طلبہ وعلماء کے ساتھ ارتباط اور الفت ہوگی اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھوٹی محبت کا دعویٰ ہوگا اس کو بلاشبہ مدرسہ اور مدرسہ کے طلبہ سے دلچسپی نہ ہوگی، بلکہ تنفر ہوگا۔ پس ہر شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کرنا مدنظر ہو وہ ان مدارس کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کر کے دیکھ لے، جس قدر ان مدارس کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا اسی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا، اس

لیے کہ یہ مدارس گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور نائب اور مُنیب کا عقلاء کے نزدیک ایک ہی حکم ہوتا ہے"۔ (تاریخ مظاہر، جلد اول)۔

مدارس کے وجود کی برکات:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"خود پڑھو، دوسروں کو پڑھاؤ، اس میں مدد کرو، علماء کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ "الدَّالُّ علی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ" نیک کام کا بتانے والا بھی کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے۔ بتا دینا ذرا سی امداد ہے، جب اس کا یہ حکم ہے تو پوری امداد کرنے والے کا حکم ظاہر ہے، روپے سے مدد کرو، بہت سے کام ایسے ہیں کہ روپے سے ہوتے ہیں، اس میں روپے سے شریک ہو۔ اگر کسی کے پاس روپے نہ ہوں اور ہاتھ پاؤں سے بھی مدد نہ دے سکے تو دعا سے مدد کرو کہ اللہ میاں اس میں سعی کرنے والوں کی مدد فرمائیں۔ اس سے تو کوئی بھی معذور نہیں۔ غرض ہر طرح کی مدد کرو اور اس کا خیال رکھو کہ آپس میں اختلاف نہ کرو، سب مل کر خلوص سے کام کرو۔ یہ قرآن شریف کی خدمت ہے"۔ (دعوات عبدیت)

مدرسہ اور تبلیغ:

"آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس دور میں مسلمانوں کے لیے صرف دو پناہ گاہیں ہیں، ایک دینی مدرسے، دوسرے یہ تبلیغی کام، تعلیمی ادارے باہر سے لوگوں کو لا کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں، اور پھر اپنی تعلیم دیتے ہیں اور یہ تبلیغی کام والے جمع شدہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں"۔ (جواہر حکمت:۱۲۲)

مدارس کی تعلیم:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ مدارس میں ہماری جو تعلیم ہے وہ تو بہت ہی اہم اور ضروری ہے، اگر تعلیم نہ ہو تو تبلیغ کا بھی دروازہ بند

ہوجائے گا، ساری بنیاد تعلیم سے ہی چلتی ہے، مگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم ہی کو مقصد بنالینا یہ کافی نہیں، بلکہ دعوت عام ہونی چاہیے، کتابیں پڑھانے کے وقت آپ کتابیں پڑھائیں، اور جب دوسرے لوگ سامنے آئیں تو دعوت الی اللہ کا راستہ اختیار کریں، جیسا مخاطب ہو ویسا ہی خادم بن کر اس سے گفتگو کریں، اگر علم وحکمت والا آدمی سامنے آئے تو اسے حکمت کے راستے سے اسلام پہنچائیں، کوئی سادہ لوح آدمی ہو تو سادگی سے اسے اسلام پیش کرو اور اگر کوئی کٹ حجت ہو تو اس کے مسلمات سے اس پر حجت قائم کریں‘‘۔ (ایک ہزار جواہر حکمت: ۱۸۱، ۱۸۲)

دارالعلوم نے دنیا کو کیا دیا:

دارالعلوم دیوبند اور اس کا فکر، جامعیت کبریٰ محمدیہ کا وارث اور سہ گانہ مقاصد بعثت تلاوت قرآن کریم، کتاب وحکمت اور تزکیہ کا امین اور داعی رہا ہے، دیوبند کی تشکیل جن پرنور اور مبارک بنیادوں پر ہوئی اور منہاجِ بنوت کا جو عظیم ورثہ اسے میسر آیا اس کی وجہ سے دیوبندیت کا ہیولیٰ قرآن وسنت کی سلف صالحین کے محتاط رنگ میں تشریح، فقہ حنفی کی محدثانہ طرز میں توضیح، سلوک وتصوف کی طریقِ نبوت کے مطابق تصریح اور معارف وحقائق دینی کی حکیمانہ پیشکش، توحید خالص، اتباع سنت، حب الٰہی، عشق رسول اور جملہ اہل سلاسل کے احترام سے وجود میں آیا، غیرت ایمانی نے احقاق، ابطال باطل، اشاعت دین، حفاظت ناموس رسالت، ردّ بدعات اور حریت وجہاد کا جذبہ بخشا، دیوبندیت کے ان بنیادی جواہر کی ان اعاظم رجال اور اساطین علم وعمل اور نفوس قدسیہ کو وجود بخشا، قرون متاخرہ میں ان کی مثال شاذ ہے، بیسیوں ایسی ہستیوں کے نام بلاتکلف لیے جاسکتے ہیں جن میں ہر ایک بذات خود جامع علم، دائرۂ فضیلت، مجمع الفضائل، مرجع خلائق اور اپنی ذات میں انجمن بلکہ امت تھی، علوم وفنون کی ریاست وامامت انھیں زیبا تھی، ورع وتقویٰ نے ان سے زینت پائی تھی۔

اگر ایک طرف تعلیم کے رخ سے احادیث مبارکہ کا تداول اور چلن اور صحاح ستہ بلکہ دیگر بعض کتب احادیث کا دور دورہ، بستی بستی، قریہ قریہ پھیل گیا، قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کا ذوق گھر گھر پہنچا، عربی زبان وادب کو فروغ نصیب ہوا۔ احناف کی فقہی مستند کتابوں کا چلن مدرسہ کی ضرورت ٹھہرا، عقلی ونقلی علوم میں مہارت سرمایۂ افتخار بنی تو دوسری طرف اکابر دیوبند کے سلاسلِ تصوف وسلوک اقصائے عالم میں پھیل گئے اور اصلاح وتجدید کے علم برداروں نے معاشرے کی اصلاح اور مسلمانوں کی دینی وملّی رہ نمائی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔ (الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر)

فضلائے مدارس عربیہ کی چند امتیازی خصوصیات

قدیم دینی نظامِ تعلیم اور عام طور پر جو دینی یا عربی مدارس کہلاتے ہیں وہ بعض ایسی خصوصیات کے مالک اور محافظ ہیں، جو جدید تعلیمی نظاموں میں مفقود یا بہت نایاب ہیں۔

یہاں بہت اختصار کے ساتھ چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن کی عملی مثالیں اور واقعات ہندوستان کی علمی ودینی تاریخ کے ہزارہا صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں:

(۱) ان میں سے ایک بڑا امتیاز وشعار (خصوصیت وعلامت) دینی مدارس میں پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کا اخلاص اور ایثار ہے، چوں کہ تعلیم وتعلّم کا اُخروی ثواب اور استاذ ومعلم کی دینی فضیلت طلبہ کے ذہن پر نقش ہوتی ہے، ان کا عقیدہ اور جزوِ ایمان بن چکی ہوتی ہے، اس لیے ان میں (اگر سب نہیں تو ایک بڑی تعداد) محض خدا کی خوشنودی اور اجر وثواب کے حاصل کرنے کے لیے تعلیم وتعلّم میں مشغول ہوتی ہے، اور اس کو افضل عبادت واعلیٰ سعادت سمجھتی ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت درس میں انہماک ہے، مدارس عربیہ کے اساتذہ کو درس وتدریس میں اس درجہ استغراق وانہماک رہا کرتا تھا (اور اس کا نمونہ اب بھی دیکھا

جاسکتا ہے) جس کا تصور بھی واقعات اور مثالوں کے بغیر مشکل ہے، اور ان کا اس مختصر مضمون میں پیش کرنا اور بھی دشوار تر ہے، پڑھنا اور پڑھانا، مطالعہ اور محنت ان کی روح کی غذا اور ان کی عبادت اور وظیفہ بن گیا تھا، اساتذہ کے تمام اوقات (بشری ضرورتوں اور قلیل راحت کے علاوہ) پڑھنے پڑھانے میں گھرے رہتے تھے، یہاں تک کہ بعض حضرات کھانے کے وقت اور چلتے پھرتے بھی پڑھاتے تھے۔

(۳) تیسری خصوصیت طلبہ سے متعلق ہے، ان اساتذہ کو اپنے شاگردوں اور طالب علموں سے ایسا گہرا اور شدید تعلق ہوتا تھا، جس کی مثال اس زمانے اور جدید نظام تعلیم میں ملنی مشکل ہے، اساتذہ طلبہ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، اکثر اوقات ان کے متکفّل ہوتے تھے، اور ان کو خورد ونوش میں شریک کرتے تھے۔

(۴) اسی طرح طلبہ کا اساتذہ سے ایسا تعلق تھا جس کے سلسلے میں تاریخ وسوانحِ حیات میں ایسے واقعات ملتے ہیں، جن کا یقین کرنا اس زمانے میں مشکل ہے، اور جن کی نقل وتقلید بھی اس زمانے میں دینی وعلمی حیثیت سے نہ ضروری ہے نہ ممکن، پھر بھی خالص مادّی اور لادینی (Secular) تعلیم گاہوں کے مقابلہ میں اب بھی مدارسِ دینیہ عربیہ کو اس سلسلہ میں کھلا امتیاز حاصل ہے۔

(۵) ان دینی اور عربی مدارس کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ اُن کے فضلاء اور سند یافتہ لوگوں نے اپنے وقت کے غلط رُجحان، کسی خطرناک فتنہ، یہاں تک کہ سلطنتوں (اور وہ عام طور پر مسلم سلطنتیں ہوتی تھیں) کی غلط سیاست اور ناجائز قوانین اور سرپرستیوں کا دلیرانہ اور بعض اوقات سرفروشانہ مقابلہ کیا، اور بعض اوقات اس میں جانیں دے دیں، اور بعض اوقات سلطنتوں اور ملک ومعاشرہ کا رُخ بدل دیا، اور کسی قیمت پر بھی ہو حکومت کے ہاتھوں، یا اہلِ دولت اور اہلِ اثر کے ہاتھوں بکے نہیں۔

(۶) اس تعلیم وتربیت، حق پسندی، اخلاقی جرأت اور ضمیر کی آزادی وبیداری کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے مقابلے کی پہلی صدا اسی دینی طبقے اور علماء

کے حلقے سے بلند ہوئی، اس نے سب سے پہلے اس خطرے کو محسوس کیا اور انگریزی اقتدار کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ جب بیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں ہندوستان کی آزادی کا صور پھونکا گیا، اور آزادی کی تحریک اور تحریک خلافت وجود میں آئی تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ قربانیاں طبقۂ علماء کے افراد اور فضلائے مدارس نے دیں، مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (جو شیخ الہند کے لقب سے معروف ہیں) اور ان کے ساتھ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولانا عزیر گل صاحب، مولوی وحید احمد، اور حکیم نصرت حسین کوڑوی کو ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (۱۲؍جنوری ۱۹۱۷ء) کو پہلے مصر، پھر مالٹا بھیج دیا گیا، جہاں وہ تین سال دو مہینے رہے، اور حکیم نصرت حسین صاحب کا وہیں انتقال ہوا، واپسی پر بھی وہ آخر وقت تک آزادی کی جدّ وجہد، اور اس تحریک ودعوت میں نہ صرف شریک بلکہ پیش پیش رہے، جہاں تک (شیخ الاسلام) مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا تعلق ہے، وہ اتنے بار جیل گئے کہ کسی سیاسی قائد کو اس کا اتفاق کم ہی ہوا ہوگا۔

اس تحریک آزادی میں حضرت شیخ الہند اور ان کے اہل عقید وارادت کے علاوہ کثیر التعداد علماء اور فضلاء مدارس شریک تھے۔

(۷) ان فضلاء وطلبہ مدارس عربیہ کی ایک خصوصیت (جس کو اس صدی کے اخلاقی طور پر برسرِ انحطاط معاشرہ اور بے اصولی کے دور میں بے قیمت اور حقیر نہیں سمجھا جاسکتا) اُن کے ان اخلاقی اصول، دینی تعلیمات اور تہذیب وآداب کی پابندی ہے، جو وہ قرآن وحدیث، سیرت نبویؐ اور علماء سلف کے تذکروں سے سیکھتے، اپنے اساتذہ میں اس کا نمونہ دیکھتے، اور ان سے اس کی تاکید وتعلیم پاتے ہیں۔

(دینی عربی مدارس کا تعلیمی، تربیتی اور وطنی کردار، ص:۳؍تا۸، ملخصاً)

علمائے دیوبند کی ہمہ جہت خدمات:

علمائے دیوبند نے جو ہمہ جہت خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کا روشن باب ہے، انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت، علوم اسلامیہ کی تعلیم واشاعت، ولی اللّٰہی منہاج پر دین وملت کی خدمت، اسلام دشمن طاقتوں اور باطل تحریکات کی سرکوبی، دینی تعلیم کی اشاعت کے لیے، مدارس ومکاتب کے قیام، ملک کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے واگذار کرانے کے سلسلے میں، کاروانِ حریت کی قیادت، مختلف علوم وفنون کی تالیف وتربیت سے اسلامی کتب خانہ کو مالامال کرنے، عظمت صحابہ اور اور عزت اسلاف کی صیانت، منکرین ختم نبوت، ومنکرین حدیث وغیرہ کے تعاقب، بدعات وخرافات کی بیخ کنی، معاشرہ کی اصلاح وتجدید کی مساعیِ جمیلہ، دینی دعوت وتبلیغ کے فروغ، سرمایۂ ملت کی نگہبانی، اسلامی ثقافت کی پاسبانی، ملت اسلامیہ کی دینی، سیاسی اورملی قیادت کے حوالے سے اپنی زریں خدمات اور تابناک کارناموں کے جولازوال نقوش تاریخ کی پیشانی پرثبت کیے ہیں وہ رہتی دنیا تک چمکتے رہیں گے اور پوری انسانیت کے لیے مینارۂ نور بنے رہیں گے۔

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

دارالعلوم دیوبند کی یہ ہمہ جہت خدمات اس کی جن عظیم شخصیتوں اور مایۂ ناز سپوتوں کے ذریعے انجام پائیں، وہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے سرمایۂ افتخار تھیں، اتنی مدت میں اتنی عظیم جلیل القدر اور نادرۂ روزگار ہستیاں کسی اور ادارے میں پیدا نہیں ہوئیں، ذیل میں ہم چند اکابر کے اسماء گرامی پیش کررہے ہیں جن میں سے ہر شخصیت بذات خود آفتاب وماہتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمودالحسن دیوبندیؒ، محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، فخر الاسلام مولانا حافظ محمد احمد صاحب قاسمی نانوتویؒ، حکیم الامت حضرت

مولانا اشرف علی تھانویؒ، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، متکلم اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، امام دعوت وتبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، جامع المنقول والمعقول علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا فخرالحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، فقیہ العصر مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مدبر اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا فخرالدین صاحب مرادآبادیؒ، مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، شیخ الحدیث مولانا بدرعالم صاحب میرٹھیؒ، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، جانشین امام العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مناظر حسن صاحب گیلانیؒ، مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادیؒ، مولانا جمیل احمد صاحب تھانویؒ، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑویؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندیؒ، بقیۃ السلف مولانا محمد زکریا صاحب، مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ، امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، متکلم اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ، فقیہ کبیر مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ، مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھیؒ وغیرہ۔

أولئك آبائي فجئني بمثلهم ❁ إذا جمعتنا يا جرير المجامع

مدارس اسلامیہ کا داخلی نظام

مدارسِ اسلامیہ مختلف النوع خدمات کی انجام دہی اور قوم وملت کے باصلاحیت افرادکار کی تیاری اور رجال سازی میں داخلی نظام کی بہتری کا بڑا دخل ہے، اگر مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار حضرات مدارس کے موجودہ داخلی نظام کو مستحکم کرلیں تو الحمدللہ تعلیم وتربیت کا معیار بھی بہتر ہوگا اور اسلام، علومِ اسلامیہ اور ملک وملّت کے لیے لائق وفائق افراد کی تیاری کا عمل بھی خوب سے خوب تر ہوجائے گا۔

ذیل میں داخلی نظام کے استحکام کے لیے اصول ہشت گانہ اور اس کی تشریح پیش کی جارہی ہے۔

اصولِ ہشت گانہ برائے دارالعلوم دیوبند ودیگر مدارس اسلامیہ:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے تحریرفرمودہ ان اصولِ ہشت گانہ پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے، جو دارالعلوم دیوبند ہی نہیں، تمام اسلامی مدارس کے لیے رہ نما اصول یا دستورِ اساسی کی حیثیت رکھتے ہیں:

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تامقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیراندیشان کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقاءِ طعام، بلکہ افزائشِ طعام طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیراندیشان مدرسہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسے کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مدرسہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا، ناگوار ہوتو پھر اس مدرسے کی بنا میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہ دل سے ہروقت مشورہ اور نیز اس کے پس

وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس لیے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی، تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو، بہ دل وجان قبول کریں گے اور نیز اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ کے طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد صادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیراندیش ہو اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدرِ ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس، وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہوسکتے ہیں۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودبیں اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسے کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی کی مقررہ اس انداز سے ہو جو پہلے تجویز ہوچکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر آباد ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء، جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور اُمرا کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے، جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

اصولِ ہشت گانہ کی تشریح

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے مذکورہ اصول ہشت گانہ کی تشریح حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ اپنے الفاظ میں یوں فرماتے ہیں:

’’ان اصولوں کی بناء پر بہ آسانی کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) آزادئ ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان ہو، کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہوسکے۔ (مندرجہ بالا الف وب کے لیے ملاحظہ ہو اصول ہشت گانہ کی دفعہ ۶ و ۷ و ۸)

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہوتا کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کردے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لیے ورنہ کم از کم اس وقت تک کے لیے محفوظ ہوجائے، جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے، نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج خود کارکنانِ مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹ ان میں قطعاً پیدا نہ ہو، بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو، جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(ج) کارکنان، خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللٰہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہیں جس کے متعلق تمام عالم اسلامی

کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے، افراط وتفریط سے پاک، صراطِ مستقیم اور معیار صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو اصل ۴)

(د) خودداری اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادئ مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ (اس کے متعلق اصل ۳ میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے‘‘۔ (علماء حق، ج:۱ص:۵۴تا۵۶)

مدارسِ اسلامیہ کے لیے ضابطۂ اخلاق:

رابطہ مدارس اسلامیہ کی مرکزی مجلس عاملہ نے مدارسِ اسلامیہ کے نظم ونسق کو بہتر بنانے اور نظامِ تعلیم وتربیت مستحکم کرنے کے لیے ضابطۂ اخلاق کی درج ذیل دفعات طے کی ہیں، مدارس کا نظام ان کے مطابق استوار رکھا جائے تو ان شاء اللہ انقلابی تبدیلی رونما ہوسکتی ہے۔

(۱) مربوط مدارسِ اسلامیہ کے نظم ونسق کو درست اور بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر مدرسہ، رابطۂ مدارس کے تجویز کردہ اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ اپنا نظام اپنے طے شدہ دستور کے مطابق چلائے، نظم باضابطہ اور بہتر بنانے کے لیے مدرسے کا اپنا دستور اور لائحۂ عمل ہونا ضروری ہے، جس کی دفعات کی روشنی میں نظام استوار رکھا جائے۔

(۲) مربوط مدارس کے ذمہ دار حضرات باہمی تعاون وتناصر کے جذبے کو فروغ دیں، اتحاد واتفاق کی فضا قائم کی جائے، ہر قسم کی آپسی رسّا کشی اور مخالفت سے گریز کیا جائے، کہ باہمی منافرت یوں بھی بری چیز ہے اور موجودہ حالات میں مدارس کے مخالفین کو مدارس میں مداخلت کا موقع مل سکتا ہے۔

(۳) ذمہ داران مدارس آپس میں ایک دوسرے کے متعلق منفی اظہارِ خیال سے گریز کریں۔

(۴) اربابِ انتظام اور اساتذۂ کرام میں اتحاد ویگانت، باہمی رواداری اور اعتماد کی فضا

قائم رکھی جائے، بدگمانی اور آپسی چپقلش سے مدرسے کا ماحول پراگندہ ہوتا ہے۔

(۵) مدارس کا نظم ونسق اربابِ شوریٰ کے مشورے اور دستور کے مطابق چلانے کی کوشش کی جائے۔

(۶) اختلاف کی صورت میں مدرسے کے مفاد کو پیشِ نظر رکھا جائے اور ہر ایسی کوشش سے اجتناب کیا جائے جس سے مدرسے کا مفاد متاثر ہوتا ہو، مدرسے کے مفادات کو مقدم رکھ کر ایثار وقربانی کے جذبے سے کام لیا جائے اور اپنی رائے اور نظریے پر اصرار نہ کر کے خوش اسلوبی کے ساتھ نزاع کو ختم کر دیا جائے۔

(۷) مدارس کے کردار کو ہر قسم کی خارجی مداخلت سے آزاد رکھنے کے لیے ہر قسم کی حکومتی امداد سے اجتناب کیا جائے۔

(۸) مدارسِ اسلامیہ دین کی حفاظت کے قلعے اور اسلامی علوم کے سرچشمے ہیں، ان کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے، جو ایک طرف اسلامی علوم کے ماہر، دینی کردار کے حامل اور فکری اعتبار سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں، دوسری طرف وہ مسلمانوں کی دینی واجتماعی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں؛ اس لیے ضروری ہے کہ مدارس اپنے نظامِ تعلیم وتربیت کو مزید بہتر بنائیں، طلبہ کی تربیت اور استعداد سازی پر بھرپور توجہ دی جائے، اساتذہ کے انتخاب میں صلاحیت اور صالحیت اور طلبہ کے انتخاب میں کمیت سے زیادہ کیفیت کا لحاظ رکھا جائے۔

(۹) دار الاقامہ کے نظام کو چست بنا کر طلبہ کی اخلاقی تربیت ونگرانی کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً نماز باجماعت کے اہتمام اور وضع قطع کی درستی پر خصوصی توجہ فرمائی جائے۔ داخلے کے وقت سابقہ مدرسے کا تصدیق نامہ لازم قرار دیا جائے اور اس معاملے میں احتیاط کو عمل میں لایا جائے۔

(۱۰) اساتذہ کے عزل ونصب اور طلبہ کے اخراج وداخلے کے بارے میں مدرسے کے طے شدہ دستور کی پابندی کی جائے۔

(۱۱) طلبہ واساتذہ کے مسلکِ صحیح (مسلکِ دیوبند) پر کاربند ہونے کا لحاظ رکھا جائے، اور طلبہ سے ذمہ داران تک مدرسے سے متعلق تمام لوگ، شعائرِ دین کی پابندی کا خاص اہتمام کریں۔

(۱۲) امتحانات کے نظام کو چست اور درست نیز اصول پر مبنی بنایا جائے۔

(۱۳) معاشرے سے مربوط رہنے کی کوشش کی جائے، معاشرے میں پیدا ہونے والی عقیدہ وعمل کی خرابیوں کی اصلاح کے لیے اپنے تمام وسائل استعمال کیے جائیں۔ فرقِ باطلہ کی تردید منظّم انداز میں کی جائے۔

(۱۴) اسلامی مدارس اور مذہبِ اسلام کے دشمنوں کی سازشوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

(۱۵) موجودہ دور میں مدارس پر لگائے جانے والے دہشت گردی وغیرہ کے بے بنیاد الزامات کے ازالے کے لیے، علاقے کے غیر متعصب برادرانِ وطن اور مقامی حکام سے رابطہ رکھا جائے، وقتاً فوقتاً ان کو مدعو کر کے مدارس کے حالات وخدمات اور مذہبِ اسلام کے امتیازات وخصوصیات سے روشناس کرایا جائے۔

(۱۶) اجمالی طور پر حدیث شریف "كلّكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيّته" کو پیشِ نظر رکھ کر نہایت دیانت وامانت، اخلاص وللّٰہیت، بیدار مغزی وحوصلہ مندی، مستعدی وجانفشانی کے ساتھ دینِ متین کی خدمت کے مبارک جذبے کے ساتھ مدارس کا نظام چلایا جائے۔

(۱۷) مدارس میں تحریر وتصنیف کا ماحول بھی بیدار کیا جائے اور تحریر کی راہ سے بھی دینِ متین کی خدمت انجام دی جائے۔

سرکاری امداد سے اجتناب ضروری

سرکاری امداد مدارسِ اسلامیہ کے لیے سمِ قاتل اور زہرِ ہلاہل سے کم نہیں، اس نے امداد یافتہ اداروں کی کارکردگی کو بے حد متاثر کیا ہے؛ اس لیے سرکاری امداد سے اجتناب بھی داخلی نظام کو درست کرنے کے لیے ضروری ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے قدیم دستور اساسی میں قیامِ دارالعلوم کے مقاصد کو پانچ دفعات میں بیان کیا گیا ہے،ان میں چوتھی دفعہ ہے:

’’حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا‘‘۔

اس لیے ہمارے اکابر واسلافؒ نے کبھی کوئی مدد طلب نہیں کی ، مدد طلب کرنا تو دور کی بات ہے،کبھی پیش کش کی گئی تو اس کو بھی قبول نہیں کیا، مالی تعاون کا یہ سلسلہ برطانوی دور حکومت سے جاری ہے۔ پچھلے سالوں میں اس طرح کی کوششیں پھر تیز ہوگئیں تھیں ؛ چناں چہ رجب ۱۴۱۹ھ میں رابطۂ مدارس اسلامیہ کا کل ہند اجتماع دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا اور مدارس اسلامیہ کے لیے حکومتی امداد کے مسئلے پر غور خوض ہوا اور اتفاق رائے سے سرکاری امداد سے احتراز کی تجویز منظور کی گئی۔ مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داران کو تاکید کی گئی کہ اس طرح کی سازشوں سے ہوشیار رہیں اور حکومت سے کسی طرح کا مالی تعاون حاصل کرنے سے احتراز کریں۔

بعد ازاں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ ،سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ کی جانب سے رابطۂ مدارس اسلامیہ سے مربوط اور غیر مربوط تمام مدارس اسلامیہ کو (جن کے پتے دست یاب ہوسکے) درج ذیل مکتوب ارسال کیا گیا، جس میں سرکاری امداد کے نقصانات اور مضر اثرات بیان کیے گئے اور اس سے اجتناب کی اپیل کی گئی۔

سرکاری مدرسہ بورڈ کے نقصانات:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر میں قائم اسلامی مدارس نے علومِ اسلامیہ کی حفاظت واشاعت ،اسلام کے بقا، وتحفظ ،مسلمانوں کے درمیان اسلامی اقدار وروایات اور دینی ثقافت کے فروغ اور ملک وملت کی قیادت وسیادت کے حوالے سے نہایت ہی قابل قدر اور زریں خدمات انجام دی ہیں۔

ان مدارس نے اکابر رحمہم اللہ کے مقرر کردہ منہاج کی روشنی میں توکل علی اللہ کے قیمتی سرمایے کے ساتھ،عوامی تعاون کے ذریعے، پوری فکری آزادی کو قائم رکھتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے لیے طے فرمودہ، اپنے الہامی اصول ہشت گانہ میں ارباب حکومت کی ہر طرح کی امداد سے اجتناب کی تاکید فرمائی اور اسے مضر بھی قرار دیا ہے اور ہر دور کے اکابر اور ارباب مدارس اسی اصول کی پیروی کرتے رہے ہیں؛ اس لیے انھوں نے کبھی حکومتِ وقت سے کوئی مالی امداد طلب نہیں کی۔ کبھی امداد کی پیش کش کی گئی تو قبول نہیں کیا۔اس نظریے کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت کی امداد سے مندرجہ ذیل نقصانات کا پیدا ہوجانا یقینی امر ہے۔

۱ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں حصولِ علم کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔اور علم دین کو دنیوی مقاصد اور مفاد کے لیے حاصل کرنے پر شدید وعید کا ذکر کیا گیا ہے۔اگر سرکاری امداد حاصل کی جائے گی تو علم دین حاصل کرنے والوں کی نیت کو محفوظ رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

۲ دوسری بات یہ ہے علما کی ذمہ داریاں بے شمار ہیں۔انہیں تعلیم وتربیت کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فرض بھی ادا کرنا ہے۔مسلمانوں کی دینی قیادت بھی کرنی ہے؛ اس لیے کسی کی داد ودہش کا مرہونِ منت ہونا ان کے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں حارج ہوسکتا ہے۔

۳ سرکاری امداد قبول کرنے کا ایک کھلا ہوا نقصان جو مشاہدے میں آرہا ہے، یہ ہے کہ کتنے ہی مدارس اس امداد کو قبول کرنے کے بعد اپنی تعلیمی وتربیتی کارکردگی باقی نہیں رکھ سکے، اور عوامی جواب دہی سے بے نیازی کے تصور نے ان کو یکسر معطل اور بے کار بنا دیا ہے۔

۴ پھر آزاد ہندوستان میں اب تک کے تجربات کے تحت اس پر بھی غور کرنا

چاہیے کہ ارباب حکومت سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام یا مذہبی تعلیم کی سربلندی کے لیے کوئی تعاون کریں گے؟۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ملک کے بہت سے صوبوں میں مدرسوں کو امداد دینے والے سرکاری بورڈ پہلے سے موجود ہیں، جن کے تحت بہت سے مدرسے حکومت کی امداد حاصل کررہے ہیں، بعض اورصوبوں میں حال ہی میں مدرسہ بورڈ اور ترقیاتی فنڈ برائے مدارس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ بعض صوبوں میں دینی مدارس کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دے کران کی امداداوران میں سدھار کے نام پر نصاب میں تبدیلی کی بات کی جارہی ہے، جن کے پس پردہ حکومت کے اپنے مقاصد ہیں؛ کیوں کہ کسی خاص فرقے کی مذہبی تعلیم وثقافت کوفروغ دینے کے لیے سرکاری مالی امداد دینا، آئینی اعتبار سے حکومت کے دائرۂ عمل سے باہر ہے، پھر بھی حکومت کی اس معاملے میں یہ فراخ حوصلگی دوررس مقاصد کے تحت ہی ہے، اس لیے ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک زریں دامِ فریب ہے، جومدارس اسلامیہ کوحکومت کے زیرکنٹرول لانے کے لیے بچھایا جارہا ہے؛ تاکہ اس کے بہانے مدارس اسلامیہ میں مداخلت کی راہ نکل آئے اوراس کے بعد آسانی سے ان کی علمی وفکری آزادی کوسلب اوران کے مذہبی ودینی کردارکوختم کردینے کادیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے۔

اس وقت عالمی سطح پر اسلامی تعلیم کے خلاف صہیونیوں کے منصوبے کے تحت تیار کردہ سازش کو زور وشور سے روبہ عمل لانے کی کوشش کی جارہی ہے؛ تاکہ اسلامی تعلیم کے نظام کو اس طرح مفلوج کردیا جائے کہ اس سے صرف نام نہاد اورجذبۂ دین وفہمِ دین سے عاری علما تیار ہوں۔ ہمارے یہاں حکومتی مشینری پر پُرتشدد طبقے کے چھاجانے کی وجہ سے، مدارس کے سلسلے میں جوخطرات پیدا ہوچکے ہیں اورحکومت اورذمہ دارانِ حکومت کے بیانات اور طرزِعمل سے جویقینی خدشات جنم لے رہے ہیں، انھیں بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

اس لیے حالات کا تقاضا ہے کہ اسلامی مدارس کی آزادی کے تحفظ، نظام تعلیم وتربیت کوفعال بنائے رکھنے، مدارس کوحکومت کے دامِ فریب سے محفوظ رکھنے، اوران کے

دینی منہاج اوراسلامی کردار وتشخص کی حفاظت وبقا کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں اوران مقاصد کے حصول کے لیے ہرطرح کی حکومتی امداد سے مکمل احتراز کیا جائے۔

امید ہے کہ مدارس کے تحفظ کے حوالے سے پیش کردہ یہ مشورہ آں جناب کی توجہ حاصل کرسکے گا۔ اورحکومتی امداد کے مضمرات اورمضر اثرات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔ اوراس بارے میں اکابر واسلاف رحمہم اللہ کے مقرر کردہ منہاج کے مطابق ہی مدارس اسلامیہ کا نظام قائم رکھا جائے گا۔

مدارسِ اسلامیہ کے داخلی نظام کومستحکم کرنے کی ضرورت:

اس بات کو ہرشخص سمجھتا ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کے فرائض کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب مدارس کا نظام درست ہو، نظام کی درستگی ہم سب کی توجہ کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔

اس سلسلے میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) مدارس میں شورائی نظام کو پوری دیانت داری کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

(۲) اساتذہ وملازمین کی تنخواہوں کا معیار مناسب رکھا جائے، جس سے کم ازکم درمیانی انداز میں کارکنان کی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔

(۳) ذمہ دارانِ مدارس اپنے عملہ کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھیں، ان کی عزت نفس کا خیال رکھیں اوراخلاقی تقاضوں کونظرانداز نہ کریں۔

(۴) مدارس کا حساب بالکل شفاف رکھا جائے اورآڈِٹ کرانے کا اہتمام کیا جائے۔

(۵) مدارس کے رجسٹریشن اور جائدادوں کے کاغذات کی تکمیل ضابطے کے مطابق پوری ذمہ داری کے ساتھ کرائی جائے۔

(۶) باصلاحیت اورمحنتی اساتذہ وکارکنان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

اپنے فرائض کی تکمیل میں دوتین کام اورتوجہ کے مستحق ہیں:

(۱) ہرمدرسہ اپنے دائرۂ کار میں ضرورت کے مقامات پرمکتب کا نظم کرے۔

(۲) حسبِ ضرورت اپنے اساتذہ اور مقامی علماء وائمہ مساجد کو ضروری موضوعات، خصوصاً فرقِ باطلہ کے تعاقب کی تربیت دینے کے لیے پروگرام یا تربیتی کیمپ کا اہتمام کیا جائے۔

(۳) نئے مدرسین کی تدریسی تربیت پر بھی توجہ دی جائے، نوآموز اساتذہ کا تقرر ہو تو قدیم اور باصلاحیت اساتذہ کے زیرِ نگرانی اُن کی تربیت کی جائے۔

(خطبۂ صدارت اجلاس مجلس عمومی، منعقدہ: ۱۴۳۶ھ، از: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہ)

اربابِ مدارس کے لیے قیمتی نصائح:

۱۔ عظمتِ طلبہ بالخصوص طلبہ قرآن شریف کا زیادہ اہتمام کرنا۔

۲۔ ان کے ضیف رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے نیز مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا استحضار رکھ کر معاملات کرنا۔

۳۔ دوسرے معاونین وارکان بالخصوص اساتذہ سے حسنِ ظن رکھنا۔

۴۔ فیصلہ اگر مشورہ کے خلاف ہو تو بھی تعاون کرنا۔

۵۔ ایسے اقوال وافعال سے احتیاط رکھنا جس سے طلبہ واساتذہ کی بے وقعتی یا بے عزتی یا شکایت عوام کے سامنے آئے۔

۶۔ طلبہ کو مریض، اساتذہ کو معالج اور خود کو تیماردار سمجھ کر معاملہ کرنا یا سمجھنا۔

۷۔ طلبہ کی صحتِ جسمانی کے لیے مناسب ورزش کا انتظام کرنا۔

۸۔ ان کے علمی وعملی امتیاز (مثلاً اوسط سے اوپر نمبر لانے اور اہتمام تکبیر اولیٰ، تعدیل ارکان، نماز باجماعت) پر انعامات تجویز کرنا۔

۹۔ امتحان وجانچ باہر کے ماہر تجربہ کار استاذ سے کرانا گو صرفہ کتنا ہی ہو، اس سے عمدگی تعلیم میں مدد ملے گی۔

۱۰۔ شکایاتِ طلبہ واساتذہ عمومی پر کوئی اثر نہ لینا، البتہ شکایات خصوصی پر فریق متعلق

سے دریافت وانکشاف حقیقت کے بعد فیصلہ کرنا۔

۱۱۔ بیمار طلبہ کی خاطر، دیکھ بھال ودل جوئی وراحت رسانی کا اہتمام کرنا جس میں ضروری علاج معالجہ بھی شامل ہے۔

۱۲۔ حفاظ کے لیے وظیفہ میں گنجائش رکھنا۔

۱۳۔ تکمیل حفظ پر انعام خصوصی مقرر کرنا۔

۱۴۔ صفائی ستھرائی مدرسہ ودارالاقامہ کا اہتمام کرنا۔

۱۵۔ صفائی ستھرائی کے سلسلے میں اکثر بلا اطلاع معائنہ کرنا۔

۱۶۔ جن اساتذہ میں صحت مطلوبہ کی کمی ہو، یعنی قرآن مجید یا تجوید پڑھنے کی ادارہ کے مصاف پر پورا کرنا۔

۱۷۔ اساتذہ کے ذمہ طلبہ کا سبق سننا لازم کرنا۔

۱۸۔ ادعیہ اوقات متفرقہ کی نگرانی کا نظم قائم کرنا۔

۱۹۔ نماز سنت کے موافق پڑھانے کا انتظام تجویز کرنا، کسی نگراں کی نگرانی میں۔

۲۰۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اساتذہ کو نگرانی کے لیے مقرر کرنا۔

۲۱۔ وظیفہ نگرانی متفرق خدمات، الگ سے تجویز کرنا۔

۲۲۔ مدرسے کی ظاہری تعمیر وتزئین کے مقابلہ میں عمدگی تعلیم کو ترجیح دینا۔ مدرسے میں اولاً صرف ضروری باتوں کو مقدم رکھا جاوے۔ پھر عمدگی تعلیم کے بعد مناسب تزئین کی طرف توجہ فرمائی جاوے۔

۲۳۔ کسی کی فہمائش (خواہ وہ طالب علم ہی کیوں نہ ہو) پر غلطی وکوتاہی ظاہر ہونے پر اس کا ممنون ہونا اور اس غلطی وکوتاہی کی تلافی کرنا، اگر کسی کا حق فوت ہوا ہو تو اس سے معذرت کرنا۔

۲۴۔ معلمین قاعدہ وناظرہ وحفظ (وغیرہ) کا مشاہرہ معقول مقرر کرنا۔

۲۵۔ ایسے اساتذہ کو معلمین مقرر کرنا جو نصاب مدرسین کی تکمیل کیے ہوئے ہوں۔

۲۶۔ تقرر کے وقت نصاب مدرسین کے موافق جانچ کرانا اگر چہ سند تکمیل نصاب مدرسین بھی موجود ہو (بعض اوقات صلاحیت حاصل شدہ بے فکری سے کم ہو جاتی ہے)

۲۷۔ بروقت داخلہ طلبہ قرآن پاک میں امتحان کرانا۔

۲۸۔ تصحیح مطلوب کی کمی پر تصحیح قرآن مجید کے لیے وقت مقرر کرانا۔

۳۹۔ اجتماع طلبہ، جلسہ اور وعظ میں تدویراً وحدراً طلبہ سے قرآن شریف پڑھوانا۔

۳۰۔ قواعد تجوید کے موافق سنانے پر انعام کا دیا جانا۔

۳۱۔ تصحیح قرآن شریف کی ناکامی پر وظیفہ کا بند کرنا اور درجے کی ترقی سے محروم کرنا۔

۳۲۔ حسب ضرورت اساتذہ کو اشرف التفہیم یا رحمۃ المتعلمین کے مطالعے کی تاکید کرنا اور تکمیل نصاب کرانا۔ (مجالس ابرار: ۱۷۰ تا ۱۷۲)

مدرسہ میں اہل کمال مدرسین کے تقرر کی ضرورت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

مدرس جتنا کم تنخواہ پر مل جائے اس کو مہتمم اپنی کارگزاری سمجھتے ہیں، مقصود یہ ہوتا ہے کہ مدرسین کی تعداد بڑھا لیں، خواہ وہ فارغ التحصیل بھی نہ ہو، بس تماشائیوں کو دکھلا دیا کریں گے کہ ہمارے مدرسہ میں اتنے مدرسین ہیں۔ صاحبو! اہل کمال تو کسی فن کے بھی سستے نہیں آتے، ویسے مدرسین سے اصل غرض تعلیم میں تخفیف ہوتی ہے۔ (ذم المکروہات، ص: ۹۲)

معیارِ تعلیم و تربیت اور داخلی نظام بہتر بنانے کی ضرورت

مجلس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دار العلوم دیوبند کا یہ اجلاس تمام مدارسِ اسلامیہ کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تعلیم و تربیت کی عمدگی مدارس کی روح ہے اور نظام کی بہتری اس کے لیے شرط ہے، مدارس کا مقصد ایسے رجال کا تیار کرنا ہے جو کمالِ علم و عمل سے متصف اور خشیت و انابت کی کیفیت سے مزین ہوں، جن کی دین

سے وفاداری ہر دنیوی مفاد سے بالاتر ہو اور جو اپنے علمی رسوخ، عملی پختگی اور اخلاقی پاکیزگی کی بنا پر ملتِ اسلامیہ کی بہترین رہنمائی کر سکیں۔

ظاہر ہے ایسے افراد کی تیاری کے لیے تعلیم و تربیت کی عمدگی حد درجہ ضروری ہے، اس مقصد کے لیے ضروری ہوگا کہ تعلیم و تربیت کو مدرسے کے نظام میں مقصد کی حیثیت سے اہمیت دی جائے، باصلاحیت اور محنتی اساتذہ کا تقرر کیا جائے، طلبہ کی بھرپور علمی و عملی تربیت کا نظام بنایا جائے اور مدرسے کا ماحول ایسا بنایا جائے کہ دیکھنے والے کو پہلی نظر ہی میں ایک علمی اور دینی مہذب معاشرہ کا عکس نظر آئے، ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ مدرسے کا داخلی نظام بہتر بنایا جائے، اساتذہ و طلبہ کے ساتھ بہترین طرزِ عمل اختیار کیا جائے، حوصلہ افزائی کے لیے علمی و عملی کارگزاری کو معیار بنایا جائے، مالیاتی نظام کو شرعی و قانونی پہلوؤں سے شفاف رکھا جائے، نظام کی عمدگی کا ایک اہم حصہ امتحانات کا معیار بہتر بنانا ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دی جائے، مجموعی اعتبار سے رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ دار العلوم دیوبند کے طے کردہ نظامِ تعلیم و تربیت اور ضابطۂ اخلاق کو نافذ کیا جائے۔ (تجویز منظور کردہ: اجلاس مجلس عمومی رابطۂ مدارس اسلامیہ عربیہ ۱۴۳۶ھ)

مدرسہ کا حساب ہر شخص لے سکتا ہے:

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مدرسہ کسی کی ذاتی ملک نہیں، قوم کے چندے سے چلتا ہے، اس لیے قوم کے ہر فرد کو حساب لینے کا حق ہے، اس لیے ذمہ دار اور منتظم کو کسی کی طرف سے حساب کا مطالبہ کرنے پر ناراض نہ ہونا چاہیے۔ (ملفوظات محمود، ج: ۲)

مقاصدِ تاسیس سے ہم آہنگ نصاب تعلیم

دارالعلوم دیوبند کا قیام امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی تحریک دعوۃ واصلاح کی بنیاد پر مسلم معاشرے کی دینی، ملی اور دعوتی ضرورتوں کی تکمیل، علوم کتاب وسنت کی حفاظت واشاعت، دینی عقائد وشعائر کی صیانت اور سرمایۂ ملت کی پاسبانی اور دیگر مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کے لیے عمل میں آیا تھا، اس لیے اس کا نصاب تعلیم خالص دینی تجویز کیا گیا، یہ وہی نصاب تھا جو درس نظامی کے نام سے موسوم تھا، اسی میں خاصا ردوبدل کرکے اسے دارالعلوم دیوبند کے لیے تجویز کردیا گیا، پھر ۱۲۸۳ھ میں نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی گئی، فارسی نصاب کو عربی سے الگ کردیا گیا اور عربی کا نصاب اس طرح مقرر کیا گیا کہ اس دور کے ذہین طلبہ اس کو چھ سال میں مکمل کرلیں، مگر پھر ۱۲۹۰ھ میں دوبارہ غور کیا گیا اور عربی نصاب تعلیم کو آٹھ سالہ بنادیا گیا، دارالعلوم کی رودادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر ۱۳۰۲ھ میں دوبارہ نصاب تعلیم زیر غور آیا اور اس میں جزوی ردوبدل کیا گیا اس کے بعد بھی مختلف اوقات میں اس طرح کی ترمیمات کی جاتی رہیں۔

نصاب تعلیم کے سلسلے میں حضرات اکابر دیوبند کے طرز عمل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ انھوں نے نصاب تعلیم کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا تھا پہلے مرحلے میں جسے اس دور میں شعبہ فارسی وریاضی کہا جاتا تھا اور جسے آج کی اصطلاح میں مدرسہ ابتدائیہ کہنا چاہیے، ان تمام چیزوں کی رعایت تھی جن کی ایک انسان کو اپنی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے، اس دور میں چوں کہ فارسی ملک کی رائج زبان تھی اس لیے مدرسہ ابتدائیہ میں فارسی

ادب، بلاغت اور انشاء کا عنصر غالب تھا، لیکن اس کے علاوہ حساب، تاریخ، جغرافیہ، اقلیدس، اخلاق، تصوف وغیرہ کے ذریعے طالب علم کو اتنا علم اور تربیت کے ذریعے اس کو ایسا مزاج دیا جاتا تھا کہ اگر وہ تعلیم منقطع کردے تو معاشرے کا ایک تعلیم یافتہ دین دار فرد شمار کیا جائے اور اگر وہ علوم عصریہ کی راہ اختیار کرے تو دین سے بیزار نہ ہو اور علوم عربیہ عالیہ میں داخل ہو تو اکابر دارالعلوم کو اسلام کی مختلف النوع خدمات کے لیے جن مجاہدین اور علماء راسخین کی ضرورت ہے ان کا فرد کامل بن جائے۔

دارالعلوم دیوبند میں جو نصاب تعلیم جاری ہے، وہ بنیادی طور پر درس نظامی ہی ہے، لیکن اس پر متعدد غور وخوض اور تغیر وتبدل کیا گیا ہے، اور متعدد علوم پر مشتمل کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے بارے میں اساتذۂ کرام سے سنا کہ حضرت فرماتے تھے مدرسہ تین چیزوں کا نام ہے: (۱) اساتذہ۔ (۲) طلبہ۔ (۳) نصاب تعلیم۔ اساتذہ کو آپ کچھ کہہ نہیں سکتے کہ ناراض ہوجائیں گے، طلبہ کو بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسٹرائک کردیں گے، لے دے کے نصاب رہ جاتا ہے، کبھی اس کتاب کو نکال دیا، کبھی اس کو داخل کردیا۔

ناچیز عرض کرتا ہے کہ حقیقت میں خامی نصاب کی نہیں، نصاب اپنی طور پر بہتر اور مقاصد تاسیس سے ہم آہنگ ہے، ضرورت طریقۂ تدریس بہتر کرنے کی ہے، نیز حضرات اساتذۂ کرام، اکابر واسلاف کے نقش قدم پر چل کر اپنی مفوضہ خدمات پوری جدوجہد اور امانت ودیانت کے ساتھ انجام دیں، نیز طلبۂ عزیز پورے اخلاص اور ذوق وشوق کے ساتھ محنت اور جدوجہد جاری رکھیں تو ان شاء اللہ بہتر نتائج برآمد ہوں گے، معیارِ تعلیم وتربیت بھی بہتر ہوگا اور قوم وملت کو باصلاحیت، مخلص اور دینی وملی خدمت سے سرشار فضلاء دست یاب ہوں، چناں چہ رسالے میں حضرات اساتذہ، طلبہ اور طریقۂ تدریس سے متعلق نہایت مفید اور ضروری اصول، تجاویز اور رہنما ہدایات پیش کی جارہی ہیں۔

عربی درجات کا نصاب:

عربی درجات کے لیے آٹھ سالہ نصاب میں کچھ تغیرات کے بعد وہی درسِ نظامی ہے، اس نصاب کو منتخب کرنے کی وجہ اس کی خصوصیات ہیں کہ اس کے پڑھنے والوں میں دقتِ نظر، اور قوتِ مطالعہ پیدا ہو جاتی ہے، یعنی اگر کوئی محنتی اور باذوق طالب علم اس نصاب کو ذوق وشوق اور تحقیق کے ساتھ مکمل کر لیتا ہے، تو اس کو اگرچہ فراغت کے ساتھ ہی تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہو جاتا، لیکن اس میں یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آئندہ اپنی جدوجہد اور مطالعہ سے جس فن میں چاہے کمال پیدا کر سکتا ہے، اس نصاب کی کتابیں حضراتِ علماء متاخرین کی مرتب کردہ ہیں اور ان میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ کتاب اپنے موضوع کے تمام مباحث ومسائل وجزئیات پر محیط ہو، تاکہ طالب علم زیرِ درس موضوع کی تمام بحثوں پر حاوی ہو جائے۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب حسنی لکھنویؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ فرماتے ہیں: اس (درسِ نظامی) نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علموں میں امعانِ نظر اور قوتِ مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو اس کو پڑھنے کے ساتھ ہی اگرچہ کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہو جاتا، لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آئندہ اپنی محنت سے جس فن میں چاہے اچھی طرح کمال پیدا کرے۔ (ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون، ص: ۳۱-۳۲)

ماضی میں اسی نصاب تعلیم سے ایسے نابغۂ روزگار علماء پیدا ہوئے جن کے رسوخ فی العلم، مقامِ تحقیق اور کمالِ علم کا پورے عالمِ اسلام نے اعتراف کیا ہے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں:

''بحمداللہ اس وقت بھی ہندوستان کے قدیم نصاب سے جو لوگ پیدا ہو رہے ہیں ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی اسی علم میں جس میں ہندوستان کی بضاعت

سب سے زیادہ مُزجاۃ سمجھی جاتی تھی، یعنی فنِ حدیث، اسی کے متعلق قسطنطنیہ کے فاضل جلیل جو کمالی عہد سے پہلے غالباً کسی ممتاز دینی منصب سے سرفراز تھے، ان کا نام علامہ محمد زاہد ابن الحسن کوثری ہے۔ خاکسار نے ان کے چند رسائل مختصرہ دیکھے ہیں جن سے ان کے تبحر اور علمی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت ان کا شمار، اسلامی ممالک خصوصاً حنفی دائرے کے ممتاز ترین علماء میں ہے، اس ترکی اور مصری فاضل نے حضرت الاستاذ العلامہ الامام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب صدر دائرۃ الاہتمام دارالعلوم دیوبند کی شرح مسلم (فتح الملہم) جب دیکھی، تو مولانا کو ایک خط لکھا جو شرح مسلم جلد ثالث کے آخر میں چھاپ دیا گیا ہے، اس خط میں علامہ کوثری مولانا کو خطاب کر کے اعتراف کرتے ہیں، "أنتم یامولانا فخر الحنفیّة في هذا العصر حقًّا" چودھویں صدی میں سارے حنفی ممالک کا فخر ایک ہندی عالم، بیرونِ ہند کا ایک جلیل القدر و مسلم الثبوت فاضل قرار دیا گیا ہے''۔ (نظام تعلیم وتربیت، ص: ۳۵۷)

عالم اسلام کے بلند پایہ مفسر، محقق عالم اور صاحبِ طرز علامہ سید رشید رضاؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، جلسۂ استقبالیہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے عربی زبان میں برجستہ خطاب فرمایا اور دارالعلوم دیوبند کے علمی مذاق ومزاج کی تشریح فرمائی، تو حضرت علامہ رشید رضا بے حد متاثر ہوئے، جس کا اظہار انھوں نے اپنی جوابی تقریر میں بھی کیا اور اپنے مجلّہ ''المنار'' میں بھی اپنے گراں قدر تاثرات تحریر فرمائے۔

جنرل سلیمان لکھتے ہیں:

''سات سال کے درس یعنی درجۂ فضل کے ایک ہندوستانی طالب علم اپنے سر پر جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرتا ہوا ہے دستارِ فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح سقراط، ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا وغیرہ پر گفتگو کر سکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم''۔

(دیباچہ غالب نامہ ۱۴، نظام تعلیم وتربیت، ج: ۱، ص: ۳۶۰)

درس نظامی سے عقل میں خاص ترقی:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو جو دینی دولت ملی یہ قرآن وحدیث کی بدولت ملی۔فقہاء ہی کو لیجئے کہ ان حضرات کا کیا رنگ ہے، بڑے بڑے فلاسفران کے سامنے گرد ہیں، فقہ سے خاص طور پر سلامت فہم پیدا ہوتی ہے، مولوی ناظر حسین وکیل تھے، رام پور میں بڑے بڑے بیرسٹروں کے کان کترتے تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے فقہ سمجھ کر پڑھا ہے، واقعی اگر کوئی (درس نظامی کی) کتابیں سمجھ کر پڑھ لے تو اس کا مقابلہ بڑے بڑے ڈگری یافتہ نہیں کر سکتے، اس سے خاص ترقی ہوتی ہے۔(ملفوظات، ج:۲)

درس نظامی:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے جس نصاب کے مطابق تعلیم پائی تھی وہی نصاب جزوی فرق کے ساتھ ان کے عہد میں دینی مدارس میں رائج تھا، اس میں پہلے بھی اصلاح وترمیم ہوئی اور بعد میں بھی جزوی ترمیمات کی گئیں، لیکن نصاب کی روح باقی رہی، بعد میں یہی نصاب ''درس نظامی'' کے نام سے موسوم ہوا کیوں کہ اسے حضرت شاہ صاحب کے ہم عصر اور جلیل القدر فاضل حضرت ملا نظام الدین صاحب سہالویؒ (پیدائش ۱۰۸۵ھ وفات ۱۱۶۱ھ) نے فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسے کے لیے قدیم نصاب میں چند تبدیلیوں اور کتابوں کے اضافے کے بعد مرتب کیا تھا، ملا نظام الدین سہالویؒ، حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے محقق اور بلند پایہ عالم تھے، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لیے مقرر مجلس علمی کے وہ اہم رکن تھے۔

نصابِ تعلیم اور درس نظامی:

جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ درس نظامی سے بہتر دوسرا نہیں ہے، سو برس سے

اس کا تجربہ کیا جارہا ہے اور اسی سے اس سو سال میں بڑے بڑے معیاری اور مثالی علماء وفضلاء تیار ہوکر قوم کے لیے فائدہ رساں ثابت ہو چکے ہیں، کسی ملک اور خطے کی خاص ضروریات یا وقت کے تقاضوں سے اگر جزوی ترمیم ہو تو مضائقہ نہیں، لیکن نوعی طور پر اس کی تبدیلی مفید نہ ہوگی۔(جواہر حکمت:۳۱۷)

مدارس میں درجۂ پنجم تک پرائمری تعلیم کا انتظام کیا جائے

اسی کے ساتھ متعدد بار اس پر بھی زور دیا گیا کہ اپنے قائم کردہ مدارس میں ذمہ داران مدارس درجہ پنجم پرائمری تک ایسا نصاب تعلیم رائج کریں، جو دینیات کے ساتھ ضروری عصری علوم، حساب جغرافیہ، علاقائی زبان اور تاریخ پر مشتمل ہو اور بہتر ہوگا کہ ان مکاتب ومدارس کو حکومت سے منظور کرالیا جائے

(تجویز:۱ مجلس عاملہ رابطہ منعقدہ:۱۴۲۶ھ)

دارالعلوم دیوبند کا موجودہ نصابِ تعلیم

نصابِ تعلیم اردو دینیات:

درجہ اطفال	نورانی قاعدہ مکمل، قاعدہ اردو (بعد ششماہی) گنتی (۱۰۰ تک لکھنا پڑھنا) تختی لکھنا، کلمات (پہلا، دوسرا کلمہ حفظ)
درجہ اول	قرآن شریف (پارۂ عم/الم/ناظرہ اور تا سورہ فیل حفظ ترتیب معکوس) اردو کی پہلی کتاب مولوی محمد اسماعیل صاحب، اردو لکھنا، دینی تعلیم کا رسالہ اول، نماز وضو کی (عملی مشق) کلمات (تین کلمے حفظ) بیسک حساب حصہ اول، پہاڑے (۱۰ تک)، بھاشا کرن پہلا حصہ (حروف وماتراشناسی از کتاب) نقل ہندی از کتاب۔
درجہ دوم	قرآن شریف از پارہ (۲ تا ۱۲ ناظرہ اور تا سورۃ الشمس حفظ) دینی تعلیم کا رسالہ حصہ دوم وسوم، اردو کی دوسری کتاب، نماز وضو کی (عملی مشق) کلمات (پانچوں کلمے حفظ) نقل اردو اور آسان املاء از کتاب، جغرافیہ، بھاشا کرن دوسرا حصہ، نقل ہندی، بیسک حساب حصہ دوم پہاڑے (۲۰ تک)
درجہ سوم	قرآن شریف پارہ (از ۱۳ تا ختم ناظرہ اور تا سورہ انشقاق حفظ) دینی تعلیم کا رسالہ حصہ چہارم و پنجم، اردو کی تیسری کتاب، نقل اردو، بھاشا کرن تیسرا حصہ سماجک ادھین حصہ دوم، نقل ہندی، بیسک حساب حصہ سوم، چھ کلمے حفظ، وضو ونماز کی عملی مشق اور دعائے نماز جنازہ، قواعد اردو حصہ اول (نثار بیگ)
فارسی چہارم	تاریخ الاسلام حصہ اول، اردو کی چوتھی کتاب، املاء اردو، آمد نامہ مکمل، رہبر فارسی، تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی کتاب، گلزار دبستان حصہ اول و دوم، کریما، بھاشا کرن چوتھا حصہ املاء ہندی سماجک ادھین حصہ سوم، انگلش پرائمر، بیسک حساب حصہ چہارم، سائنس آؤ کر کے سیکھیں حصہ اول۔

فارسی پنجم	تاریخ الاسلام حصہ دوم، مشاہیر دارالعلوم دیوبند، اردو کی پانچویں کتاب، اردو خطوط نویسی (املاء)، فارسی کا معلم، گلستاں مکمل (باستثناء باب پنجم) بوستاں (از ابتداء تا ختم باب اول) بھاشا کرن پانچواں حصہ، املاء ہندی، انگلش رینبو حصہ پنجم، بیسک حساب حصہ پنجم۔

نصابِ تعلیم درجات عربیہ:

سال اوّل	سیرت خاتم الانبیاء (حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب)۔ میزان، منشعب، پنج گنج، نحومیر، شرح مائۃ عامل، مفتاح العربیہ اول، دوم، القراءۃ الواضحہ اول، پارۂ عم حفظ تصحیح مخارج کے ساتھ مشق ربع اول۔
سال دوم	ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، فصول اکبری (خاصیات) القراءۃ الواضحہ دوم، نفحۃ الادب، نور الایضاح علاوہ کتاب الحج، قدوری تا کتاب الحج، آسان منطق، مرقات، جمال القرآن مع مشق پارۂ عم آخر کے تین ربع۔
سال سوم	ترجمہ قرآن کریم سورۃ ق تا آخر پہلے پارۂ عم، قدوری از کتاب البیوع تا ختم، کافیہ مکمل، نفحۃ العرب، مشکوٰۃ الآثار، القراءۃ الواضحہ حصہ سوم، تعلیم المتعلم، شرح تہذیب مکمل، تاریخ ملت (مطالعہ)۔
سال چہارم	ترجمۃ القرآن کریم (سورہ یوسف سے سورہ ق تک) شرح وقایہ جلد اول مکمل، بعدہ جلد ثانی تا کتاب العتاق، دروس البلاغۃ مکمل، الفیۃ الحدیث، تسہیل الاصول، اصول الشاشی، قطبی، علوم عصریہ، (تاریخ بنوامیہ وبنی عباسیہ، جغرافیہ، علم مدنیت)۔
سال پنجم	ہدایہ اول مکمل، ترجمہ قرآن کریم از ابتداء تا ختم سورۂ ہود، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح فن ثالث، نور الانوار، المنار، مقامات، سلم العلوم، عقیدۃ الطحاوی، تاریخ سلاطین ہند (مطالعہ)۔

سال ششم	جلالین شریف، ہدایہ ثانی بشمول کتاب العتاق، الفوز الکبیر، حسامی، قصائد منتخبہ من دیوان متنبّی، دیوان حماسہ کا باب الادب، مبادی الفلسفہ، میبذی، اصح السیر (مطالعہ)۔
سال ہفتم	مشکوٰۃ المصابیح، نخبۃ الفکر، مقدمہ شیخ عبدالحقؒ، ہدایہ آخرین، شرح عقائد، سراجی۔
دورہ حدیث	بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، طحاوی شریف، شمائل ترمذی شریف، موطا امام مالکؒ، موطا امام محمدؒ، تجوید ومشق۔

تکمیلات

تکمیل تفسیر

تفسیر ابن کثیر سورۂ صٰفّٰت سے سورۂ نجم کے ختم تک۔ تفسیر ابن کثیر سورۂ اقتربت السّاعۃ سے آخر قرآن تک، بیضاوی آل عمران سے سورۂ اعراف تک، بیضاوی شریف سورۂ بقرہ، مناہل العرفان (مباحث منتخبہ)، مقدمہ ابن الصلاح، سبیل الرشاد۔

تکمیل علوم

حجۃ اللہ البالغہ، مسامرہ، مسلم الثبوت، مقدمہ ابن الصلاح، بیضاوی سورہ بقرہ، الاشباہ والنظائر (کلیات فقہیہ)، سبیل الرشاد۔

تکمیل افتاء

سراجی (تمرین کے ساتھ) عقود رسم المفتی، الاشباہ والنظائر (الفن الاول والثانی)، قواعد الفقہ، تمرین فتاوٰی، مقدمہ درمختار، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الوقف، مطالعہ شامی مع فتاوٰی رشیدیہ۔

تخصص فی الافتاء (سال اول)

(۱) استیعابی مطالعہ:

(۱) ملتقی الابحر (از: ابتداء تا: کتاب الوقف) (۲) الحیلۃ الناجزہ

(۲) ابحاث کا خلاصہ: (ششماہی امتحان تک)

(۱) بدائع الصنائع (کتاب الطہارۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب الزکاۃ) (بعد ششماہی)

(۲) البحر الرائق (کتاب الصلاۃ، کتاب الأیمان، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیۃ)

(۳) اصول فتوی نویسی:

(۱) اصول الافتاء وآدابہ: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

(۲) مقدمہ الدر المختار: علامہ حصکفیؒ

(۴) متداول کتب فتاوی کا تعارف وخصوصیات اور فقہ حنفی کی تاریخ وامتیازات:

(معاون کتب)

(۱) ابوحنیفہ: حیاتہ وعصرہ۔ آراؤہ وفقہہ ابوزہرہؒ

(۲) فقہ اہل العراق وحدیثہم: علامہ زاہد الکوثریؒ

(۳) الفوائد البہیۃ: علامہ عبدالحی لکھنویؒ

(۵) تمرین فتاوی:

اختیاری مطالعہ: ۱۵۰ فتوے مع تخریج وعناوین

(۱) الجواہر المضیئۃ

(۲) الاشباہ والنظائر (فن ثانی وثالث)

(۳) امداد الفتاوی (جلد ثالث، مطبوعہ: زکریا دیوبند)

(۴) تاریخ التشریع الاسلامی: مناع القطان

تخصص فی الافتاء (سال دوم)

(۱)استیعابی مطالعہ:

(۱) (ملتقی الابحر (از: کتاب البیوع تا: آخر)

(۲) امداد الفتاوی (جلد سادس، مطبوعہ: زکریا دیوبند)

(۲)ابحاث کا خلاصہ:

(ششماہی امتحان تک)

(۱) ردالمحتار (کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الوقف، کتاب الاجارۃ)

(بعد ششماہی)

(۲) فتح القدیر (کتاب البیوع، کتاب المضاربۃ، کتاب الشرکۃ، کتاب الوصیۃ، کتاب الھبۃ)

(۳)اصولِ شریعت واصولِ فقہ:

(۱) اصول سرخسی: (علامہ سرخسیؒ)

(۲) الموافقات: (جزء المقاصد) علامہ شاطبیؒ

(۴)تمرین فتاوی: ۱۵۰ فتوے مع تخریج وعناوین

(۵)تفصیلی وتحقیقی فتوی یا مضمون: (۵۰ صفحات)

اختیاری مطالعہ:

(۱) جواہر الفقہ (مکمل) (۲) قضایا فقہیۃ معاصرۃ

(۳) بدایۃ المجتہد (۴) مجلۃ الاحکام العدلیۃ

(قواعد داخلہ دار العلوم دیوبند: ۳۹-۱۴۳۸ھ، جاری کردہ دفتر تعلیمات)

تخصص فی الحدیث سالِ اول:

اصول الحدیث: "مقدمة ابن الصلاح"

التخريج: "أصول التخريج" للدكتور محمود الطحان (الباب الأول)،

تخريج "جمع الفوائد" لمحمد المالكى.

أسماء الرجال: تعريف بكتب الرجال التالية: (١) "التاريخ الكبير" للبخارى. (٢) "الجرح والتعديل" لابن أبى حاتم. (٣) كتاب "الثقات" لابن حباب البستي. (٤) كتاب "المجروحين" لابن حبان. (٥) "تهذيب الكمال" للمزي. (٦) "تهذيب التهذيب" للحافظ ابن حجر العسقلاني. (٧) "تقريب التهذيب" للحافظ ابن حجر العسقلاني.(٨) "الكامل في الضعفاء" لابن عدي. (٩) "ميزان الاعتدال" للذهبي.

الجرح والتعديل: "الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل" للعلامة عبدالحي اللكنوي، مدارس الرواة (٣٧٥)ترجمة مفصلة للرواة في ضوء كتب الجرح والتعديل.

حفظ المتون: " حفظ ١٣٥حديثا في الأحكام مع الكلام على الرواة المتكم فيهم۔

تخصص فی الحدیث سالِ دوم:

دراسة الأسانيد: (١) "اصول التخريج" الباب الثانى للطحان.(٢) "دراسة الحديث الصحيح والحسن". (٣) "دراسة تطبيق الأمثلة لأنواع الحديث المختلفة" كلاهما للشيخ نعمت الله الأعظمي والشيخ عبدالله المعروفي. (٤) "منهج دراسة الأسانيد والحكم عليها"للدكتور وليد بن حسن العاني رحمه الله.

دراسة المتون: (١) "الفوائدالمهمة في دراسة المتون" للشيخ نعمت الله الأعظمي (٢)الأبواب المختارة من "إعلاء السنن" للتهانوي مع دراسة شاملة.

تطبيق الأسانيد: تطبيق الأسانيد.

حفظ المتون: حفظ ١٦٥ حديثاً في الأحكام مع الكلام على الرواة المتكلم فيهم.

كتابة بحث: إعداد بحث حول موضوع من موضوعات الحديث الشريف لايقل عن مئة صفحة. (لمحة عن الجامعة الاسلامية: دارالعلوم ديوبند)

تکمیل ادب:

(١) اساليب الانشاء (٢)المختارات العربيه (النثر الجديد)

(٣)ديوان الحماسه (باب الادب)

(٤) المعلقات السبع: ٣/ معلقات۔ (٥) تاريخ الادب العربى (زيات)۔

(٦) البلاغة الواضحة (٧) انشاء عربی۔

تخصص فی الادب:

النثر القديم:"البخلاء"للجاحظ(رسالة سهل بن هارون، وقصة اهل البصرة من المسجدين. "رسائل الحاحظ" (رسالة كتمان السر)

النثر الجديد: "حياتي" لأحمد أمين. "رجال من التاريخ" للطنطاويّ.

حفظ النصوص:"مجموعة من النظم والنثر للحفظ والتسميع" محمّد شريف سليم.

الإنشاء العربيّ:ترجمة من العربيّة إلى الأرديّة والعكس الصحف العربيّة المختارة.

كتابة بحث: "كتابة البحث العلميّ" لعبد الوهّاب أبو سليمان، إعداد بحث حول الموضوعات العلمية أوالادبية أوترجمة علم من الأعلام، لايقل عن مئة صفحة.

دروس مطالعة: "من نفحات الحرم" للطنطاويّ. "النظرات" للمنفلوطيّ "كليلة ودمنة" لابن المقفّى. "نحو مذهب اسلاميّ فى الأدب والنقد" لعبد الرحمٰن رافت الباشا. (قواعد داخلہ دارالعلوم دیوبند:۳۹۔۱۴۳۸ھ، جاری کردہ دفتر تعلیمات)

پیغمبر اسلام کی بعثت کا مقصد: تعلیم وتربیت:

پیغمبر اسلام کی بعثت کی غرض وغایت دو چیزیں ہیں، ایک تعلیم دوسری تربیت اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم وتربیت کو سب سے مقدم کیا ہے، تاکہ ان کے ذریعہ آدمی آدمی بنے، جانور نہ بنے، جانوروں کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی، وہ ہر کھیت میں منہ مارتا چلتا ہے، اس کو معلوم نہیں ہے کہ کھیت ہمارے مالک کا ہے یا غیر کا ہے، اس کو تو صرف کھانے سے غرض ہوتی ہے، وہ حلال وحرام جائز وناجائز کو کیا جانے، اسی طرح اگر آدمی کو تعلیم وتربیت کا سبق نہ پڑھایا گیا تو اس کو حلال وحرام کی تمیز نہیں ہوگی، پھر وہ آدمی کیا ہے اچھا خاصہ جانور بیل ہے، اس لیے آدمی اس وقت آدمی نہیں بنتا جب تک اس کی تعلیم وتربیت نہ ہو۔

تعلیم وہ چیز ہے کہ جس سے انسان کے دل ودماغ کی تعمیر ہوتی ہے، پھر جس قسم کی تعلیم ہوگی اسی طرح انسان کا دل ودماغ بنے گا اور اسی کے مطابق وہ کام کرے گا۔
(ملفوظات حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ)

حقیقتِ علم:

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انسان، انسان جب بنتا ہے جب اس کے اندر علم آجائے، اور علم بھی وہ ہو کہ محض دانستن کا نام علم نہیں، محض جان لینے کا نام علم نہیں، اس لیے کہ تھوڑا بہت علم جانوروں کو بھی حاصل ہے، اتنا علم اگر انسان میں آجائے تو اتنا علم حیوانیت کے لیے بھی ہے، حقیقی علم وہ ہے کہ جس سے انسان حلال وحرام کو پہچانے اور جائز وناجائز میں فرق کرے۔ یہ کام انسانی قلب کا ہے، ہاتھ اور پیر کا نہیں، علم کی حقیقت ہی درحقیقت تمیز ہے، یعنی دو چیزوں کو ممتاز کیے رکھنا، اگر دو چیزوں کو الگ الگ سمجھتا تو امتیاز پیدا کر دیتا، یہ علم کا مرتبہ ہے اور علم میں کمال تقویٰ سے آتا ہے، جتنا تقویٰ وطہارت ہوگا اتنا علم میں کمال پیدا ہوجائے

گا، اس لیے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ اِنْ تَتَّقُوْ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَاناً“ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرنے لگو اور متقی بن جاؤ تو اللہ تم میں فرقان پیدا کردے گا۔ ”فرقان“ کے معنی اس اندرونی قوت کے ہیں جو حق وباطل میں امتیاز پیدا کردے، جب یہ تمیز پیدا ہوجائے تو کہا جائے گا کہ تقویٰ کامل ہوگیا، تقویٰ کا اثر یہ ہے کہ انسان کا دل خود بھلائی اور برائی میں امتیاز کرنے لگتا ہے“۔ (جواہر حکمت: ۳/۱۷۳)

ترتیب علم:

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے کہ: سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مقولہ نقل کیا گیا ہے یعنی علم کی ترتیب اس طرح ہے، اول استاذ سے غور کے ساتھ سننا خاموش رہ کر، اس کا صحیح مطلب سمجھنا، پھر اس کو یاد رکھنا، پھر اس کے مطابق عمل کرنا، پھر اس کی اشاعت کرنا، مگر آج کل فارغ ہوتے ہی نشر واشاعت کی کوشش ہوتی ہے کہ بعد ملازمت فلاں کتاب پڑھانے کو ملے تو یوں دھویں دھار تقریر کروں گا کہ طلبہ عش عش کرتے رہ جائیں گے۔ (تحفۃ المدارس: ۱/۴۲۹)

علم نافع وعلم ضار:

علم پڑھ کر بھی جس میں خشیت نہ پیدا ہو اس سے وہ جاہل اچھا ہے جس میں خشیت ہو، علم کی مثال اس کے نافع اور مضر ہونے میں تلوار کی دھاری کی سی ہے، اس سے دوست بھی کٹتا ہے، اگر تلوار چلانے والا ماہرِ فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس طرح کہ ہاتھ مارا دشمن کے اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا، اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے، اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی ہے، گو غالب امن ہے، مگر حسن استعمال کی ضرورت ہے، اس کو دیکھ لیجئے کہ جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں یہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہی لوگوں کی بدولت بنے ہیں، کسی جاہل کا معتقد ہی کون ہوگا۔ (افاضات الیومیہ: ۳۵۲)

عمل کے بغیر تحقیقات ونکات بیکار:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات واسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید واذواق اور معارف وحقائق بغیر تعلقِ صادق کے بیکار ہیں۔

حضرات! نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنایا کرے، بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا ساری عبادتیں اور اسرار ونکات اور ارشادات غائب ہوگئے، ان سے کچھ کام نہ چلا، بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں، جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے، اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہوجائے تو نور علیٰ نور ہے، ورنہ کچھ نفع نہیں، مگر مقصود حاصل نہ ہوا، آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیاء سب غیر مقصود کے درپے ہیں، مقصود سے اکثر غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں“۔ (العلم والعلماء: ۱۳۹)

علم دنیا کے مقابلے میں علم دین پر فخر:

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اپنی خود ثنائی تو نہیں کرنی چاہیے، مگر تمہیں سمجھانے کے لیے بتاتا ہوں، میری طالب علمی کا زمانہ تھا، حدیث شریف سے میں فارغ ہو چکا تھا، اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا، میرے دوستوں نے مولوی فاضل کے لیے یونیورسٹی میں داخلے لے لیے کہ اپنی ذاتی تیاری کر کے امتحان دے دیں گے، مولوی فاضل بن جائیں گے، اس کے ذریعے

کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی، میرے دوساتھی تھے، جنہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا، اوراس کی تیاری کررہے تھے، جب بھی تکرار کے لیے بیٹھتا، مجھ سے کہتے کہ تم بھی امتحان دے لو، میں کہتا کہ غریب آدمی ہوں، ۸۰/روپے داخلہ فیس ہے، اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں ادا کروں گا، تم داخلے کے لیے آمادہ ہوجاؤ، میں نے کہا سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا بالکل، میں نے کہا کہ پہلے تو میں تمہیں ٹالتا تھا، مگر اب اصل جواب سنو، کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اوراس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے، آپ ازراہِ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف لے آئیں، آکر بیٹھ جائیں، کچھ نہ لکھیں، سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں، ایک سطر بھی نہ لکھیں، آپ پر کوئی پابندی نہیں اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اول نمبر قرار دیا جائے گا، بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں۔

میں نے کہا: اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط آ بھی جائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے، یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں، مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھا ہے، اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں‘‘۔(واقعات ومشاہدات)

قومی ترقی کے لیے علم دین ضروری:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’افسوس ہے کہ آپ کے ہم وطن ہندوؤں نے تو علم کے اہم ہونے کو محسوس کیا کہ ان میں بکثرت لوگ امتحان سے فارغ ہوکر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت

سررشتہ تعلیم (سرکاری تعلیم کا محکمہ) میں داخل ہو، اس لیے کہ سب شاخیں اسی کی فرع ہیں تو تعلیم میں دخیل ہونا ذریعہ ہے ترقی قومی کا، مگر ہم کو اب تک اس کی خبر نہیں، اور پھر بھی اپنے آپ کو عاقل سمجھے ہوئے ہیں، تعلیم کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلوں میں ایسی ہے جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر میں تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے، اگر اس کی حرکت بند ہوجائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہوجائے، مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا، درس وتدریس سب محکموں کی روح ہے، خواہ تقریر ہو خواہ تحریر ہو، خواہ تصنیف، سب اسی تعلیم کی فرع ہیں، مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بیکار سمجھ رکھا ہے، عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔(ضرورۃ علماء، ج:۱۱ص:۴۹)

خالص دینی مدارس کی شدید ضرورت ہے:

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا:

’’مولانا عبدالحمید فراہی سے میری ملاقات کلکتے میں ہوئی، میں آسام سے آرہا تھا اور وہ برما سے آرہے تھے، آپ مدرسہ سرائے میر کے ناظم تھے، میں نے اُن سے پوچھا: سنا ہے کہ آپ نے مدرسے سے انگریزی نکال دی فقط عربی رکھی؟ تو مولانا نے جواب دیا، انگریزی رکھی جاتی تو غالب آجاتی ہے عربی پر، طلبہ کے دماغ سے عربی تو نکل جاتی ہے اور انگریزی اس کی جگہ لے لیتی ہے، میں نے تجربہ کرکے دیکھا ہے، اسی لیے انگریزی کو نکال دیا۔

میرے بزرگو! جن جگہوں میں دین اور دنیا کو جمع کیا گیا ہے، جہاں دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کو بھی رکھا گیا ہے، وہاں انسانوں کی رغبت دنیا کی طرف ہوگئی، طبعی طور پر انسان دنیا کی طرف راغب ہوجاتا ہے، بڑی مشکل سے دین کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

دینی علوم کے لیے مدارس کے قیام کی طرف مسلمانوں کی توجہ نہیں، انہماک نہیں، دنیا کے علوم کے لیے کتنی کوششیں کی جاتی ہیں، مگر یہ بتائیے کہ روحانیت کے واسطے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے لائحۂ عمل کے واسطے دنیا کی تعلیم دینے

والے اسکولوں کے مقابلے میں کتنے دینی مدرسے ہیں، ان کی تعداد مقابلتاً کتنی ہے؟ اور مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے ان کی تعداد اوران میں کتنی دلچسپی ہے؟

دنیا کی تعلیم دینے والے اسکولوں کے لیے تو ہر قسم کی آسانیاں ہیں، وہاں فیس بھی دینی پڑتی ہے، داخلے کی فیس علیحدہ، اگر قیام گاہ ہو تو کمرے کی فیس، کھانے کی فیس، امتحان کی فیس، کتابوں کی فیس علیحدہ ہے، ہر سال کورس بدلا جاتا ہے، مصارف بہت ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان اسکولوں اور کالجوں میں ہجوم رہتا ہے، پڑھنے والوں کا، ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دینی مدارس ان کے مقابلے میں تعداد کے لحاظ سے بھی کم ہیں اور ان میں پڑھنے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے۔

میرے بھائیو، بزرگو! سوچو، سمجھو! اگر آپ نے اس سحر سے بچنے کی کوشش نہیں کی تو بڑی آفت میں مبتلا ہو جائیں گے، آنے والا زمانہ تاریک ہے، کوشش کیجیے، اگر آپ نے دین سکھلا دیا تو پھر بچے کالج میں جائیں یا جہاں بھی جائیں اُن کے پاس اسلام تو رہے گا، اسی واسطے علماء رات دن اسی فکر میں رہیں کہ دینی مدرسے ہر جگہ کھولے جائیں۔

بھائیو! میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ محلوں میں دین کی تعلیم کے مدرسے جاری کیجیے، ہر بچے میں دین کی جو چیزیں ضروری ہیں وہ ڈال دیجیے وہ بڑے ہو کر چاہے دوسری تعلیم حاصل کرلیں، ہر جگہ خالص دینی مدارس کی ضرورت ہے، تاکہ وہ قیامت اور آخرت کو پہچان سکیں، اس کے بعد وہ جو چاہیں سیکھیں، دین دل میں بٹھا دیجیے، ان شاء اللہ وہ اس کی ہدایت پر چلتے رہیں گے اور اُن کی دنیا بھی اچھی رہے گی اور آخرت بھی، تمام کو نیک توفیق عطا ہو۔ آمین (چراغ محمد: ۳۴۴، ۳۴۷ ملخصاً)

مدارس کی تعلیم کا بنیادی مقصد:

بعض حضرات دینی مدارس کے نصاب ونظام میں ترمیم کے اس بناء پر خواہش مند رہتے ہیں کہ ان مدارس کی سند دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں میں تسلیم کرلی جائے اور

یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان یونیورسٹیوں میں داخلہ مل سکے یا ان سندوں کے حاول طلبہ کو سرکاری اداروں وغیرہ میں ملازمتیں مل سکیں، اور چوں کہ دوسری یونیورسٹیوں کے ساتھ معادلہ مدارس کے نصاب ونظام میں تبدیلی کیے بغیر ممکن نہیں نظر آتا، اس لیے اس نظام میں ترمیم کی خواہش رکھتے ہیں۔

ہماری نظر میں یہ طرز فکر بھی درست نہیں، ہمارے نزدیک دینی مدارس کے نصاب ونظام پر خالصۃً اس نقطۂ نظر سے غور ہونا چاہیے کہ ایک بااستعداد اور صاحب بصیرت عالم دین کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح پوری ہوسکتی ہیں؟ اس نقطۂ نظر سے نصاب ونظام میں جن ترمیمات کی ضرورت ہو، ان کو بے شک اختیار کیا جائے، لیکن محض اس بنا پر ان مدارس کے مزاج ومذاق سے ہٹ کر کوئی تبدیلی کرنا ان کی سند دوسری یونیورسٹیوں یا سرکاری اداروں میں مقبول ہو جائے، ان دینی درس گاہوں کی بنیادی روح کے منافی ہے۔

دینی مدارس کی بنیاد جس اخلاص، للّٰہیت، ایثار اور جذبہ خدمت دین پر رکھی گئی تھی اس میں اس بات سے کبھی کوئی بحث نہیں کی گئی کہ ان کی سندیں بازار میں کیا قیمت رکھیں گی؟ اکابر علماء دیوبند میں سے کتنے حضرات تھے جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے بعد کبھی سند لی ہی نہیں، اس کے بجائے اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء میں دینی علوم کی اعلیٰ مہارت، اتباع سنت کا جذبۂ خشیت وتقویٰ، انابت الی اللہ اور جذبہ خدمت دین کیسے پیدا ہوا؟

اور واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس اگر اپنے مطلوبہ معیار کے مطابق کام کریں اور ان سے اسی صلاحیت کے اہل علم پیدا ہوں جس صلاحیت کے علماء کی ضرورت ہے، اور جس کی آبیاری ان مدارس کا بنیادی مقصود ہے، تو اس بات کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ دوسری یونیورسٹیوں میں ''اعلیٰ تعلیم'' حاصل کرنے کے محتاج ہوں، یا سرکاری اداروں میں اپنی اسناد منظور کرانے کی درخواستیں لیے پھریں، اس کے بجائے ان مدارس کو خود اپنا تعلیمی اور تربیتی معیار بلند کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور

یقین ہے کہ اگر مطلوبہ معیار حاصل ہو گیا تو تمام دوسرے ادارے چار و ناچار ان کی سند کو تسلیم کرنے پر از خود مجبور ہوں گے۔

ہمارے دینی مدارس جس علم کے امین اور جس مزاج و مذاق کے وارث ہیں، اس میں یہ بات ان کے لیے عار ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی علمی استعداد کی شہادت حاصل کرنے کے لیے درخواستیں، اپیلیں یا مطالبے کرتے پھریں، اس علم کا مزاج تو یہ ہے کہ اپنے حصے کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے بعد انسان اپنی دھن میں لگ جائے، کسی کو ہزار مرتبہ ضرورت پڑے تو وہ اپنی غرض اور اپنی ضرورت سے اس کی طرف رجوع کرے ورنہ اس کو اپنی علمیت منوانے کی چنداں حاجت نہیں، اور ماضی کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جن حضرات نے ان مدارس میں رہ کر علمی اور عملی کمال حاصل کر لیا ان کو کبھی کہیں اپنی سند دکھانے کی ضرورت نہیں پڑی، اور ان کی خدمات کے طلب گار صرف دینی مدارس ہی میں ہی نہیں، بلکہ اعلیٰ یونیورسٹیوں سے لے کر سرکاری اداروں تک اتنے رہے ہیں کہ ان کو کبھی ناقدری کا شکوہ نہیں ہوا۔

لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ہوا جب انہوں نے اپنے آپ کو پورے اخلاص کے ساتھ زیور علم سے آراستہ کیا اور صرف نام کے فارغ التحصیل ہونے کے بجائے واقعۃً علوم دین کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی، انہوں نے دنیا طلبی کے لیے علم حاصل نہیں کیا بلکہ خدمت دین کو اپنا مشن بنایا، لیکن عملاً یہ ہوا کہ دنیا بھی ان کے قدموں میں ذلیل وخوار ہو کر پہنچی اور معاشی اعتبار سے وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

لہٰذا محض اپنی سند کو تسلیم کرانے کی خاطر دینی مدارس کے نصاب و نظام میں کوئی ایسی تبدیلی کرنا جو ان کے مزاج و مذاق سے ہٹی ہوئی ہو، ان مدارس کی روح کے یکسر منافی ہے۔ (ہمارا تعلیمی نظام: ۹۰،۹۱)

مدارسِ اسلامیہ کا نظامِ تعلیم

دار العلوم دیوبند کے نہج پر قائم مدارس اسلامیہ کا نظامِ تعلیم، خالص دینی بنیادوں پر استوار رکھا گیا ہے، چوں کہ دینی مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد علوم کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت، اسلام اور شعائر اسلام کا تحفظ، اسلامی اقدار کی پاسبانی، ملّت اسلامیہ کی دینی، ملی اور دعوتی ضروریات کی تکمیل، اور ایسے علماء ورجال کار کی تیاری ہے، جو ایک طرف اسلامی علوم کے ماہر، دینی کردار کے حامل، فکری اعتبار سے صراطِ مستقیم پر گام زن ہوں اور دوسری طرف مسلمانوں کی دینی وملّی قیادت کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں، اس لیے حضرات اکابر رحمہم اللہ نے مقاصدِ تاسیس سے ہم آہنگ نصاب متعین فرمایا اور ایسا جامع اور مفید نظامِ تعلیم وتربیت نافذ فرمایا جو مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کی تکمیل میں بے حد مفید اور کامیاب ثابت ہوا۔

ہمارے اکابر واسلاف رحمہم اللہ کا طرۂ امتیاز تھا کہ وہ طلبہ کی علمی استعداد ولیاقت بڑھانے پر جس قدر توجہ دیتے تھے اس سے کہیں زیادہ ان کی عملی تربیت اور کردار سازی کا اہتمام فرماتے تھے، وہ طلبہ کے دلوں میں خشیتِ الٰہی کی آب یاری فرماتے، ان میں عبادت کا ذوق پروان چڑھاتے، ان کے اعمال واخلاق اور معاشرت وآداب کو سنت کے مطابق ڈھالنے کی تربیت فرماتے، چناں چہ مردم گری اور افراد سازی کے ان اداروں اور کارخانوں سے ایسے باکمال افراد اور رجالِ کار تیار ہوئے جو رشد وہدایت کے مینار، علم وفضل کے آفتاب وماہتاب، سلوک وطریقت کے بادہ خوار، ملک وملت کے معمار اور ”در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق“ کے سچے مصداق تھے۔

(خطبۂ صدارت مجلس عمومی ۱۴۳۳ھ، از: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہ)

نظامِ تعلیم کی بہتری کے لیے ضروری اور مفید تجاویز:

۱- دورانِ تدریس اختصار کے ساتھ کتاب حل کرنے کی کوشش کی جائے، کتاب کے مشکل مقامات کو حل کرنے میں پوری توجہ سے کام لیا جائے، مشکل مقام کی تحقیق میں حل پیش کرنے والے مصنّفینؒ اور اسلافؒ کا حوالہ دیا جائے، طلبہ کو مآخذ سے روشناس کرانے کا اہتمام کیا جائے اور غیر ضروری بحثوں سے احتراز کیا جائے۔

۲- نصاب کی تکمیل کرائی جائے، تدریس میں یکسانیت ہو، ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی مقدارِ خواندگی مقرر کی جائے۔

۳- جس استاذ کو جس فن سے زیادہ مناسبت ہو، تدریس کے لیے اسی فن کی کتاب اس کے حوالے کی جائے۔

۴- امتحانات پوری احتیاط سے لیے جائیں، درجۂ چہارم تک کے امتحانات میں بالخصوص پوری احتیاط برتی جائے اور ان جماعتوں میں طلبہ کا اوسط حاضری دوسرے درجات سے بڑھا دیا جائے۔

۵- ابتدائی تعلیم اچھے اور تجربہ کار اساتذہ کے سپرد کی جائے۔

۶- اول، دوم، سوم عربی کے طلبہ کا ماہانہ امتحان لیا جائے۔

۷- سال چہارم عربی تک، عربی تمرین اور انشاء پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے۔

۸- مدرسین کو اسباق اتنے دیے جائیں کہ وہ تدریس کی ذمہ داریوں سے صحیح طریقہ سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

۹- مدرسین کے انتخاب میں صلاح وتقویٰ، علمی استعداد، بلند اخلاقی معیار، سلامتِ طبع، تدریس اور طلبہ کی تربیت سے دلچسپی کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱۰- اساتذہ اعلیٰ کتابوں کی طرف مراجعت کرکے طلبہ میں اعلیٰ علمی معیار پیدا کرنے کی جدوجہد کریں۔

۱۱- سال ششم عربی سے دورۂ حدیث شریف تک امتحانات کے دو پرچوں کا حل عربی میں کرنا لازم قرار دیا جائے۔

۱۲- طلبہ میں عربی ذوق پیدا کرنے کے لیے عربی مجلّات وصحف منگائے جائیں اور دارالمطالعہ قائم کیا جائے۔

۱۳- طلبہ میں تقریر وخطابت کا ذوق پیدا کرنے کے لیے جمعہ کی رات میں خطابت کی مجلسیں منعقد کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔

(منظور شدہ: اجلاس مدارسِ اسلامیہ عربیہ منعقدہ: ۱۴۱۵ھ)

ہمارے اسلاف کا طرزِ تدریس:

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’ہمارے بزرگوں کے پڑھانے کا یہی طریقہ تھا کہ وہ حضرات محض کتاب کو حل فرمادیتے تھے اور زائد کچھ نہ بتلاتے تھے، ہاں اگر کوئی بہت ضروری بات ہوتی تو اس کو فرمادیتے تھے‘‘۔ (دعوات عبدیت)

اندازِ تدریس:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’میں نے ایک طالب علم کو دیکھا کہ وہ ایک مبتدی کو میزان پڑھا رہے تھے، اور اس کے خطبہ میں ’’الف لام کی تعریف‘‘ کی قسمیں بیان کررہے تھے، میں نے کہا کہ مولوی صاحب اس غریب کی راہ کیوں مار رہے ہو، یہ ان سب مضامین کو جزوِ میزان سمجھے اور مشکل سمجھ کر میزان ہی چھوڑ دے گا، میں نے اپنے پڑھانے کا طرز ہمیشہ یہی رکھا ہے کہ نفس کتاب کو حل کردیا اور زوائد کبھی بیان نہیں کیے اور حل بھی اس طرز سے بڑے بڑے مشکل مقامات بھی کبھی طالب علموں کو مشکل نہیں معلوم ہوئے۔ (اشرفی بکھرے موتی)

صدرا میں مثناۃ بالتکریر کی بحث ایک مشہور بحث ہے، کان پور میں ایک مولوی

فضل حق طالب علم مجھ سے پڑھتے تھے، جس دن یہ مقام آیا ہے تو میں بلا اہتمام معمولی طور سے اس کی تقریر کر دی، جب انہوں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تو میں نے کہا یہی مقام ہے جو مثناۃ بالتکریر کے لقب سے مشہور ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ آخر سالانہ امتحان میں ممتحن نے یہی مقام سوال میں دیا، مولوی فضل حق صاحب مرحوم نے جو تقریر اس مقام کی لکھی تھی (وہ اب تک مدرسہ جامع العلوم میں محفوظ ہے) ممتحنین بھی اس پر عش عش کرتے تھے، بعض نے کہا کہ ہم نے اس مقام کی تقریر ایسی کہیں نہیں دیکھی۔ تو بڑی کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ کتاب کو پانی کر دے نہ یہ کہ اپنی فضیلت کا اظہار کرے"۔ (آپ بیتی، ج:۲، ص:۲۵)

اکابرِ دارالعلوم دیوبند کا طریقۂ تدریس:

دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے منصب پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، اُن کے بعد حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے بعد شیخ الاسلام حضرتِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ فائز رہے، حضرت شیخ الہند کا طرز تدریس (مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کے تتبع میں) یہ تھا کہ کتاب ہموار پڑھائی جائے، حدیث کی مناسب تشریح ہو جائے اور حنفی مسلک کے مطابق احادیث کی مختصر توجیہیں بیان کی جائیں، اس کا اندازہ حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہیؒ کی اُس تقریر سے ہوسکتا ہے جو حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے ضبط کی تھی (یعنی الکوکب الدری جو حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی رحمہ اللہ کے حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہے) اور ایک اندازہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر سے بھی ہوسکتا ہے جو جامع ترمذی مطبوعہ اصح المطابع کے ساتھ بطور ضمیمہ کے چھپ چکی ہے۔

حضرت کشمیریؒ نے طرز درس کو بدل دیا تھا، جن مسائل میں فقہی مسالک متعدد ہوتے ہیں اور ہر فریق اپنی سند میں احادیث بطور استدلال پیش کرتا ہے اور جو حدیث

اس مسلک کے مخالف پیش ہوسکتی ہو اس کی توجیہ یا تضعیف کرتا ہے، وہاں مسئلہ طویل الذیل ہو جاتا ہے، ایسے طویل الذیل مسائل میں حضرت شاہ صاحب حوالوں کی کثرت کے ساتھ مسائل اسناد پر بھی بحث فرماتے اور حنفی مسلک کی تائید میں دلائل وشواہد جمع فرما دیتے تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں درس کی یہ دونوں خصوصیتیں موجود تھیں۔ (چراغِ محمد ۱۶۱، ۱۶۲)

حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس کی خصوصیات:

حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا سید اصغر حسین آپؒ کے حلقۂ درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حلقۂ درس دیکھ سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، قرآن و حدیث حضرت کو از بر تھے، اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر، صحابہ وتابعین، فقہاء مجتہدین کے اقوال محفوظ، تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منہ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدی بناتے تھے، نہایت سبک اور سہل الفاظ با محاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا امنڈ رہا ہے، یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے، اب بھی کئی دیکھنے والے موجود ہوں گے کہ وہی منحنی جسم اور منکسر المزاج، ایک مشت استخوان، ضعیف الجثہ مردِ خدا، جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا اور بار بار مسجد کے فرش پر بلا کسی بستر کے لیٹا ہوا نظر آتا تھا، مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے، جو قوت وشوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے۔ (افکارِ محمود: ۲۴۳)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا طریقۂ تدریس:

اسلاف کرام کے طریقۂ تدریس کے مطابق شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہ کتاب شروع کرانے سے پہلے علم حدیث کی مبادی ومتعلقات نیز اس کی فضیلت بیان فرماتے تھے،

اسی ذیل میں فضیلت حدیث بیان کرتے ہوئے قرآن مجید کی آیت ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ '' (آل عمران:۳/۳۱) کی تلاوت وتفسیر کی اور فرمایا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پیارے پیغمبر ہیں، آپ کی ہر چال ڈھال اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اسی لیے تو فرمایا ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ''اس لیے کہ محبوب کی نقل بھی محبوب ہوتی ہے، مزید فرمایا کہ امت محمدیہ کو یہ شرف بخشا گیا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کا عاشق ہے، عاشق کو معشوق کی خطائیں قابل مواخذہ نہیں معلوم ہوتیں، اس لیے آخر میں ''وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ'' فرمایا۔ پھر موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ''اس تمام شرف وبزرگی کا ذریعہ صرف علم حدیث ہے، اس لیے اس کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے، حدیث شریف میں ہے: ''إِنَّ أَوْلَی النَّاسِ بِيْ یَوْ مَ الْقِیٰمَةِ أَکْثَرُ هُمْ عليَّ صَلاةً'' (او کما قال علیه الصلاة والسلام) اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اشرف علوم ہے، کیوں کہ اس میں ذکر خیر نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہوتا ہے اور ہر مرتبہ نام آنے پر درود شریف پڑھا جاتا ہے، تو اس طرح ''أکثرهم عليّ صلاة'' بھی محدثین ہی ہوئے، اس لیے کہ کسی اور علم میں اتنا درود نہیں پڑھا جاتا''۔ اس کے بعد کیا خوب اور پتے کی بات فرمائی: ''اسی سے اندازہ لگائیے کہ دارالعلوم دیوبند میں جب ہر وقت حدیث کی کتابیں پڑھی جاتی رہتی ہیں تو کس قدر یہاں بارش رحمتِ خداوندی ہوتی رہتی ہے، پھر اسی طرح کثرتِ درود کی بنا پر سب سے زیادہ قرب دارالعلوم ہی کو آں حضور سے ہے''۔ (تحفۃ المدارس، ج:۱/ص:۱۴۸)

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی تدریسی خصوصیات:

سطورِ ذیل میں شیخ الاسلام حضرت مدنی کے درس کی چند وہ خصوصیات درج کرتا ہوں، جن کی وجہ سے حضرت کا درس تلامذہ پر عمیق اثر چھوڑ جاتا تھا اور جو خصوصیات اُن کی ذات کے ساتھ ختم ہوگئیں۔

(۱) حضرتِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں وقار اور تواضع دونوں کا اجتماع تھا، اس لیے اُن کے درس میں شاگرد ادب واحترام کے ساتھ ہمہ تن متوجہ بھی رہتا تھا، اور اگر اُس میں یہ ہمت ہوتی کہ تلامذہ کے عظیم مجمع (تقریباً دوسو کے مجمع) میں زبان کھول سکے، تو حضرتؒ کی ہیبت تشفی طبع کے لیے سوال کرنے میں اُس کے لیے مانع نہ تھی، اس لیے کہ حضرتؒ کا تواضع طالب علم کو ہر قسم کے مناسب یا نامناسب سوال کرنے کی جرأت دلا دیتا تھا۔

(۲) حضرت کا چہرہ نہایت بارعب اور لباس نہایت سادہ اور اس کے باوجود نہایت باوقار تھا، بہت موٹے کھدر کا لباس اور عربی جبّہ زیب تن ہوتا، لیکن لباس کی صفائی بارُعب چہرے کو چار چاند لگاتی تھی، اور تلمیذ کی خواہش رہتی تھی کہ پُر جلال چہرے کے نظارۂ جمال میں مصروف رہیں اور لب مبارک سے جو موتی نکلیں اُن کو سمیٹتا رہے۔

(۳) حضرتِ مدنیؒ نے عمر کا ابتدائی حصہ مدینہ منورہ میں گذارا تھا، اس لیے عربی زبان کا لہجہ ایسا فصیح تھا کہ جس کی نظیر علمائے ہند میں نہیں ملتی تھی، جو حدیث حضرتؒ کی زبان سے سننے میں آتی وہ اپنے عربی لہجہ کے ساتھ عرصہ تک تلامذہ کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔

(۴) حضرتؒ کی تقریر بہت صاف اور اس کی رفتار بہت آہستہ ہوتی تھی، ایک ایک کلمہ اور ہر کلمہ کا ایک ایک حرف نہایت متین آواز میں زبان مبارک سے نکلتا اور سامع نواز ہوجایا کرتا تھا، مشکل مقامات کو نہایت سادہ طرزِ بیان میں مثالیں دے کر حل فرماتے تھے، اس لیے اُن کے درس سے ذہین اور متوسط بلکہ غبی طالب علم بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہوجاتا تھا۔

(۵) حضرتؒ جب کسی مسئلہ میں حدیث کی توجیہ بیان فرماتے اور توجیہات متعدد ہوتیں تو اُن کو شمار کر کے بیان فرمایا کرتے تھے، اس لیے ضبط کرنے والا اس کا اہتمام کرتا کہ کوئی نمبر درمیان میں رہنے نہ پائے، اس لیے پوری تقریر منضبط ہوجاتی تھی۔

(۶) سال کے ابتدا، میں صحیح بخاری وجامع ترمذی میں سے ہر کتاب کو شروع کرتے وقت مصنف کتاب تک اپنی سند پوری بیان کردیتے تھے، یہ اکابر کا طریقہ تھا۔

(۷) قرأت حدیث کے مع اسنادِ حدیث کے متعلق تحقیق فرماتے، رواۃ پر فن اسماء الرجال کی حیثیت سے بحث فرماتے اور جرح وتعدیل فرماتے، مناسب مواقع پر رواۃ حدیث کے حالات بیان فرماتے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جب کسی صحابی کا ذکر آتا تو اُن کی خصوصیات ذکر فرماتے، اس کے بعد متنِ حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھاتے کہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتا تھا، حدیث میں جو مشکل الفاظ آتے تھے اُن کی لغوی تحقیق فرماتے، حدیث کے مراتب صحیح، حسن وغیرہ بیان فرماتے، اس حدیث پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو اس اعتراض کو بوضاحت بیان فرماتے اور اس کے چند قوی جوابات جو مستند ہوں بیان فرماتے تھے، تراکیب نحویہ، تشریح مقامات، خصائصِ کتب، فنِ حدیث کی اصطلاحات کی تشریح، احادیثِ منسوخہ کی مکمل بحث، فرضیت احکام کی تواریخ وتسمیہ، سورِ قرآنی، عصمتِ انبیاء، احوالِ ائمہ حدیث، شرائط معمول بہا محدثین، تراجم ابواب سے احادیث مرویہ کی مطابقت، شعبِ ایمان وغیرہ کو بالتفصیل بیان فرماتے اور سب سے آخر میں مذہب حنفیہ کو حدیث سے مطابق فرماتے تھے، اُس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مذہب احادیث نبویہ کے بالکل مطابق ہے، اور امام ابوحنیفہ کو تفقہ فی الدین میں دستگاہِ کامل حاصل ہے۔ (چراغ محمد: ۱۶۲ تا ۱۶۴ ملخصاً)

ممتاز محقق، مشہور مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ لکھتے ہیں کہ:

''میں بخاری وترمذی کے درس میں شرکت کرتا تھا، مولانا (مدنی) کا استحضار اور مسئلہ کی مبسوط تقریر اُن لوگوں کے لیے نئی بات ہے جو مولانا کی سیاسی مصروفیتوں اور سفروں کی کثرت سے واقف ہیں، ایک مسئلہ پر بعض اوقات تین تین چار چار دن مسلسل (۶۰ رمنٹ کے تعلیمی گھنٹہ میں) تقریر جاری رہتی اور مسئلے کا ''مالہ وماعلیہ'' ائمہ کے اختلاف ومذاہب اور ان کے دلائل، ماخذ، متن واسناد ورجال کی بحثیں، برجستہ، اس سب پر مولانا کی قرأتِ حدیث، مولانا کا مخصوص دل کش لہجہ اور دارالحدیث کی روحانی وپرسکینت فضا ابھی تک آنکھوں میں ہے اور گویا اس وقت بھی ''بالسند المتصل الی امیر

المؤمنین فی الحدیث'' کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے، درمیان میں طلبہ کے سوالات کا (جن میں غیر متعلق بھی ہوتے) تحمل کے ساتھ جوابات دیتے، آخر سال میں درس کی مصروفیت اتنی بڑھ جاتی کہ عصر کے بعد بھی درس، عشاء کے بعد دیر رات تک درس، صبح کی نماز کے بعد درس، اچھے اچھے مستعد طالب علموں کی ہمت جواب دے جاتی، لیکن مولانا کی مستعدی، نشاط اور قوت میں فرق نہ آتا''۔ (چراغ محمد: ۱۶۶)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درس کی خصوصیات:

جب آپ درس دینے کے لیے تشریف رکھتے تو اکثر شروح حدیث اپنے پاس رکھتے تاکہ مسائل کے حل میں آسانی ہو، ان میں سے جس شرح کی ضرورت ہوتی ایسی سرعت سے منتخب فرمالیتے گویا وہ تمام شروح آپ کی نظروں کے سامنے ایک ہی ورقہ ہے، سب سے پہلے حدیث کی لغوی تشریح اور نحوی وبلاغی تحقیق کرکے موضوع حدیث کی تشریح فرماتے اور شارحین کے کلام کا خلاصہ بیان کرتے، ایسی جامع تشریح کرتے کہ طالب علم مطمئن ہوجاتے اور ہر ایک فن میں ایسا مدلل بیان فرماتے گویا آپ اس فن کے بانی ہیں۔

چوں کہ علامہ صاحب کا کلام ہر باب کی جامع تشریح پر مشتمل ہوتا تھا، جب آپ فقہ الحدیث پر کلام فرماتے تو نہایت مدلل انداز میں مذاہبِ اربعہ ذکر کرکے راجح مذہب کی وجوہِ ترجیح بیان فرماتے اور اس میں محدثین کے اقوال ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے۔ سب سے پہلے ائمہ مجتہدین، پھر مشائخِ عظام کے اقوال نقل کرکے اختلاف کے اسباب بھی بیان فرماتے، کبھی کبھی متقدمین کے اقوال پر ان کی علمی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تنقید کرتے، لیکن طلبہ کو ان کی شان میں بے ادبی کرنے پر تنبیہ فرماتے، آپ نحوی مباحث وبلاغی مسائل میں اکابر کے اقوال نقل فرماتے مثلاً نحو میں سیبویہ کے اور بلاغت میں شیخ عبدالقادر جرجانی اور علامہ زمخشری کے اور لغت میں امام جوہری وزمخشری کے اقوال نقل فرماتے تھے۔ (چالیس بڑے مسلمان)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا طرزِ تدریس:

آپ دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ درجے کے اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے اور دارالعلوم میں متوسط کتابوں سے لے کر مسلم شریف اور بخاری شریف تک کی تعلیم دی، تمام علوم معقولہ اور منقولہ، منطق، فلسفہ، فقہ وحدیث اور تفسیر کی مکمل مہارت رکھتے تھے، آپ جہاں بہتر عالم وفاضل تھے، وہاں اعلیٰ درجے کے خطیب مقرر ہونے کے علاوہ بہترین مدرس بھی تھے۔ میدان درس وتدریس ایک جدا میدان ہے، جس میں ہر عالم کامیاب نہیں ہوتا۔

آپ کا درس بے شمار خصوصیات کا حامل ہوتا تھا، سبق پڑھاتے وقت پورے ذوق وشوق کو عمل میں لاتے تھے، طلبہ بے حد متاثر ہوتے تھے، اس طرح تقریر فرماتے کہ کتاب کا ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا، مشکل سے مشکل مضمون کو اس طرح بیان فرماتے کہ مشکل مسئلہ مشکل نہ رہتا، بلکہ آسان ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتا، ان کے طرز بیان میں تمثیل کا رنگ اتنا اچھوتا ہوتا کہ تقدیر، استواء علی العرش اور شریعت کے دوسرے مشکل مسائل آسان ہو جاتے تھے، طلبہ کی اکثریت ایسے دشوار مسائل کے حل کے لیے علامہ عثمانی کی طرف رجوع کرتی، ان کے سبق میں دلچسپیوں اور روحانیت کی فراوانی کا عالم کچھ نہ پوچھیے، قرآن کریم کی تفسیر فرماتے وقت یوں معلوم ہوتا کہ مطالب کا کشف ہو رہا ہے، اور آسمان سے وحی نازل ہو رہی ہے۔

اسی طرح درسِ حدیث کے وقت ان پر قرن اولیٰ کے محدث کا گمان ہوتا، اور دلوں پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مجلس میں تشریف فرما ہیں اور قال اللہ وقال الرسول کا بازار گرم ہے، آپ کی تدریسی وعلمی خدمات کی مدت ۳۷ رسال ہے، ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ۳۷ رسال کا عرصہ علامہ عثمانی کا درس حدیث، تفسیر وفقہ، ومنطق وفلسفہ وعلم کلام میں گذرا، غرض کہ آپ کی تدریسی خدمات کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ (چالیس بڑے مسلمان)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا طرز تعلیم واصول:

کتاب کے اوپر کہنی وغیرہ رکھ دینا بھی جیسا کہ بعض طالب علموں کی عادت ہوتی ہے اس سیہ کار (شیخ الحدیث) کے یہاں نہایت نہایت بے ادبی اور گستاخی تھی، اس پر پہلے ہی دن نہایت زور سے نکیر اور تنبیہ کر دیا کرتا تھا اور اس سے بڑھ کر دوسری بات کہ کتاب پر کہنی رکھ کہ اور ہاتھ پر منہ رکھ کر سونا تو اس سے بھی بڑا سخت ظلم تھا، اس پر نہایت شدت سے تنبیہ تو پہلے ہی دن کر دیتا تھا، اور اس زمانہ میں اس سیہ کار کا بدن چوں کہ نہایت ہی ہلکا پھلکا سوکھی لکڑی کی طرح سے تھا، اس لیے بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ طالب علم نے حدیث پڑھی اور میں نے تقریر کی اور جب طالب علم نے دوسری حدیث شروع کی تو میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر نہایت پھرتی سے سونے والے کو ایک تھپڑ مار کر اپنی جگہ بیٹھ جایا کرتا تھا، دورۂ حدیث کے طلبہ نہایت متحیر رہ جاتے کہ یہ کیا ہو گیا مگر چوں کہ لوگوں کو میری عادت معلوم ہو گئی تھی، اس لیے وہ سمجھ جایا کرتے تھے کہ کوئی غریب سو گیا ہوگا، میں اس میں اکابر مدرسین کی اولاد اور مخصوصین کی بھی بالکل رعایت نہیں کرتا تھا۔

حدیث پاک کے سبق میں خاص طور سے بیٹھنے پر بھی میں خصوصی تنبیہ شروع سال میں کر دیتا تھا کہ چوکڑی مار کر نہ بیٹھیں، دیوار سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھیں، حدیث پاک کی کتابوں کا نہایت ادب ظاہراً وباطناً ملحوظ رکھیں، کسی نقل وحرکت سے حدیث کی کتاب کی بے ادبی ظاہر نہ ہو۔

لباس پر بھی میں خصوصی تنبیہ شروع میں کر دیتا تھا، میں ان سے کہا کرتا تھا کہ دنیا میں سینکڑوں طریقے لباس کے ہیں، مگر ایک چیز میں تم خود ہی غور کرو کہ مقتداؤں کا لباس ایک ہے، یعنی لمبا کرتا، لمبا چوغہ، چاہے مسلمان ہو چاہے پادری ہو، چاہے مجوس ہو، چاہے ہنود ہو، بالخصوص اونچا کرتا سرین تک اور تنگ پائجامہ کی تو میں بہت تشنیع کیا کرتا تھا کہ ایسے لوگوں کو نماز کی صف اول میں ہرگز نہیں کھڑا ہونا چاہیے کہ وہ زبان حال

سے دوسروں کو بے حیائی کے ساتھ اپنے اعضاء مستور کا حجم دکھلا رہے ہیں۔

ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب اور نہایت احترام اور ان پر اعتراض چاہے قلبی ہی کیوں نہ ہو ہرگز نہ کیا جائے، بعض لوگ حنفیت کے زور میں دوسرے ائمہ پر اور بعض بے وقوف ائمہ حدیث پر تنقیدی فقرے کہتے ہیں یہ مجھے بہت ناگوار ہوتا تھا۔

مجھے اس پر بھی بہت زور تھا اور ابتداء ہی میں طلبہ کو اس پر متنبہ کر دیا کرتا تھا کہ معاصر مدرسین کا کوئی قول آپ نقل کریں تو شوق سے مگر مدرس کا نام ہرگز نہ لیں۔

(آپ بیتی: ج:۲ ص:۳۴ تا ۳۷)

حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی رحمہ اللہ کی تدریس:

محدث جلیل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''مولانا عبداللہ صاحب کو ابتدائی تعلیم صرف ونحو، ادب میں کامل مہارت تھی۔ میں نے میزان، منشعب، پنج گنج کے ساتھ ساتھ تیسیر المبتدی پڑھی تھی، حصہ صرف ختم ہونے کے بعد نحو میر کے ساتھ اس کا حصہ نحو پڑھا تھا، مولانا اس زمانے میں ہم سے اردو کی عربی اور عربی کی اردو بنوایا کرتے تھے، عصر کے بعد سیر وتفریح کو جاتے اور ہمیں ساتھ لیتے، خود قرآن شریف پڑھتے جاتے اور ہم سے قرآن کے صیغے دریافت کرتے جاتے اور نحوی ترکیب بھی پوچھتے جاتے، اسی طرح نحو میر پڑھنے کے زمانے ہی میں مجھے عربی لکھنے اور بولنے کی مشق ہوگئی، میں نے اسی زمانہ میں اپنے ایک ساتھی کو دیوبند خط لکھا تو اس میں عربی کے چند اشعار بھی لکھے تھے جن میں سے ایک شعر یاد ہے:

أنا ما رأيتك من زمن ❁ فاز داد في قلبي الشجن

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے میرا یہ خط دیکھ لیا تو بہت ہی دھمکایا کہ ابھی سے شعر وشاعری کا مشغلہ شروع کر دیا، ابھی تو محنت کرنے اور یاد کرنے کا زمانہ ہے، مگر مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں نے اگرچہ ظفر کو شعر وشاعری پر

دھمکایا ہے، مگر آپ کی خوبی تعلیم کا مجھ پر بہت اثر ہوا کہ نحو میر پڑھنے والے کو عربی شعر بنانے کی لیاقت ہوگئی، اگرچہ شعر کیا تھے، محض تک بندی تھی مگر نحوی ترکیب صحیح تھی۔ (تحفۃ المدارس: ج:۲ ص:۴۹ تا ۵۱)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے پڑھانے کا خاص طریقہ:

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

(۱) ''میں نے اپنے پڑھانے کا طرز ہمیشہ یہی رکھا ہے کہ نفس کتاب کو حل کر دیا اور زوائد کبھی نہیں بیان کئے اور حل بھی اس طرز سے کیا کہ بڑے بڑے مشکل مقامات بھی کبھی طالب علموں کو مشکل معلوم نہیں ہوئے''۔ (تعلیم البیان)

(۲) ''فرمایا کہ میرا پہلے ہی سے قاعدہ تھا کہ طالب علم سے مقدمات پوچھ لیتا تھا بس وہ مقام خود بخود حل ہو جاتا تھا، لوگ بجائے اس کے کہ میرے اس طرز سے خوش ہوں اور برا مانتے تھے، دق (پریشان) کرتے ہیں (لیکن یہ طریقہ بہت مفید ہے) (حسن العزیز)

(۳) ''میرا یہ بھی معمول تھا کہ جس بات میں شرح صدر نہ ہوا فوراً کہہ دیا کہ یہاں میری سمجھ میں نہیں آیا تم بھی غور کرو اور میں بھی غور کروں گا۔ (مزید المجید)

ناغے کی بے برکتی:

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انضباط اوقات میں بڑی برکت ہے، کوئی کام مشکل نہیں رہتا اور ناغے میں بڑی بے برکتی ہوجاتی ہے، چاہے تھوڑا ہی سا ہو، لیکن ناغہ نہ کرے۔

مولانا مملوک علی صاحب کو جس روز کام ہوتا ایک دو سطر ہی پڑھاتے تھے، لیکن فرماتے تھے کہ ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔

میں بھی جب کوئی مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا بعض روز بالکل فرصت نہ ملتی تو برکت کے لیے صرف ایک ہی سطر لکھ لی، اس سے تعلق قائم رہتا ہے، ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلقی ہو کر مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے۔ (حسن العزیز، ج:۱رص:۵۶۴)

انضباطِ اوقات اور ہمت کی ضرورت:

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انضباطِ اوقات میں بڑی برکت ہوتی ہے، کوئی کام مشکل نہیں رہتا، الحمدللہ مجھے کوئی کام دشوار نہیں معلوم ہوتا، ہمت کر کے لے بیٹھتا ہوں تو حق تعالیٰ پورا ہی فرما دیتے ہیں، آج کل کے نوجوانوں کی ہمتیں ہی پست ہیں، ورنہ اگر ہمت کریں تو حق تعالیٰ خود مدد فرماتے ہیں، قدم اٹھا کر چلنا شروع کر دے، پھر چاہے ایک ہی بالشت روز چلے دوری روز بروز کم ہی ہوتی جائے گی''۔ (حسن العزیز)

''اللہ کا شکر ہے کہ میں نے نظام الاوقات میں کبھی کسی کو پریشانی میں نہیں ڈالا جو انتظام ایک دفعہ ہو گیا اس کے خلاف کبھی نہیں کیا، اسی واسطے لوگوں کو میری تجویزوں پر اعتماد رہتا ہے، اور بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ کسی انتظام کا ان کو پاس ولحاظ نہیں ہوتا، ایک مولانا بہت مشہور شخص تھے، ایک جلسہ ہوا جو صرف انھیں کی وجہ سے ہوا تھا اور لوگوں نے بڑے انتظام کئے تھے، عین وقت پر لینے گیے تو معلوم ہوا کہ باہر تشریف لے گئے ہیں، کس قدر پریشانی ہوئی اور تمام شہر میں زق بق ہوئی''۔ (حسن العزیز)

طلبِ علم میں انہماک:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میرے والد صاحب کے طالب علمی کے زمانہ میں ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ان کی آنکھوں میں نزول آب شروع ہو گیا، کتب بینی ہرگز نہ کیا کریں، وہ فرمایا کرتے

تھے کہ میں نے یہ خبر سن کر کتب بینی میں اتنی محنت کی اس خیال سے کہ پھر یہ آنکھیں جاتی رہیں گی جو کرنا ہے ابھی کر لیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مدرسہ حسین بخش والوں کا اصرار ان کے والد یعنی میرے دادا پر تھا کہ وہ دورۂ حدیث میں شریک ہوں، جس پر والد صاحب نے انکار کر دیا، لیکن امتحان میں شرکت قبول کر لی، نظام الدین کے ایک حجرے میں جو بہت ہی تنگ و تاریک تھا اور اس میں جنگل کی طرف ایک دروازہ کھلا ہوا تھا وہاں اب کھڑکی ہے، اس میں شب و روز مطالعہ میں مشغول رہتے اور ایک دولڑکے متعین تھے کہ وہ اذان کے بعد ایک دو لوٹے وضو استنجاء کے لیے رکھ دیں اور دونوں وقت کھانا لا کر اسی کھڑکی میں سے میرے پاس رکھ دیں۔

اس زمانے میں کاندھلہ سے ایک تار شادی کے سلسلہ میں ان کے بلانے کا آیا تھا تو نظام الدین کے حضرات نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ وہ کئی ماہ سے یہاں نہیں ہے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پانچ چھ ماہ میں بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ، فتح القدیر اتنے انہماک سے دیکھیں کہ جس کے بعد امتحان کی تعریف حضرت سہارنپوری ممتحن نے بڑے مجمع میں کی، اور اسی بناء پر حضرت گنگوہی سے سفارش کی جس پر حضرت گنگوہی نے آخری دورہ پڑھایا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کے بعد سب سے پہلے میں استاذ کی تقریر عربی میں نقل کرتا تھا، اس کی مدد سے دوسرے رفقاء درس اردو میں اپنی تقریریں نقل کیا کرتے تھے اور پورے دورہ میں ان کی ایک حدیث بھی ایسی نہ گزری جو استاذ کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔ (آپ بیتی، ج:۲رص:۵۸،۵۹)

عالم کی تعریف:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے، جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا

بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں ہے، بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو“۔

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرتِ روایات اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا، بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں“۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں“۔

اور مجاہد علیہ الرحمہ نے فرمایا ”یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے“۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی: ”فقیہ مکمل وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو اور اس قرأت میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو۔ (تحفۃ المدارس: ۱/۲۹۶)

علمائے کرام کا احترام:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فنِ طریقت کے امام تھے، حضرت کی بصیرت کا کیا ٹھکانا تھا کہ مجھ کو بیعت کرتے وقت یہ شرط لگائی تھی کہ پڑھنے پڑھانے کے شغل کو ترک نہ کرنا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی ضرورت کا کس درجہ ادراک تھا، اسی لیے علماء کا بے حد احترام فرماتے تھے، ایک مرتبہ مولوی رحمت اللہ صاحب نے حضرت پر کچھ اعتراضات کیے، اس پر حضرت کو بھی طبعاً ناگواری ہوئی اور جواب دے کر یہ بھی فرمایا کہ اگر میں اپنے بچوں کو بلالوں گا تو ناطقہ بند کردیں گے، اتفاق سے اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ حج کو تشریف لے گئے اور یہ واقعہ سن کر ان حضرات کو بھی

ناگوار ہوا، اور باہم یہ مشورہ کیا کہ ہم مولوی صاحب سے جا کر پوچھیں گے، جب حضرت حاجی صاحبؒ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ نہ بھائی تم کچھ نہ بولنا، میں ان کا احترام کرتا ہوں، ہاں وہاں جا کر مل آؤ، تب یہ حضرات گئے اور مل کر چلے آئے“۔ (اشرفی بکھرے موتی)

علمائے کرام کا مقام:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

”شروع شروع میں بمقام کانپور جب میری عمر کوئی ۲۰/برس ہوگی، ایک وکیل صاحب نے میرا بیان سن کر کہا کہ یہ شخص ملاؤں میں کہاں جا پھنسا، یہ تو وکالت کا امتحان پاس کرتا تو اس کا کوئی نظیر نہ ہوتا، ایک بار الہ آباد میں اسی واقعہ کو بیان فرما کر اور دیگر مؤیدات کا ذکر کرکے فرمایا کہ میرا مقصود ان واقعات سے یہ ہے کہ اگر ہم ملاّ لوگ دنیا کمانے پر آجائیں تو آپ لوگوں سے اچھی کما کر دکھلادیں، لیکن باوجود اس قدرت کے بقدر ضروری پر راضی رہ کر خدمت دین میں مشغول ہیں۔ وعظ میں اس بات کا ذکر فرمارہے تھے کہ ہم لوگوں کو پست ہمت، احدیوں کی پلٹن، کم حوصلہ، ترقی کے دشمن نہ معلوم کیا کیا خطاب دئے جاتے، حالاں کہ اگر آپ کا کوئی نوکر جس کو آپ صرف پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہوں دوسرے شخص کے بیس روپے ماہوار پر لات مار کر کہہ دے کہ میں اپنے آقا کو نہ چھوڑوں گا تو میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس کو یہی خطاب دیجئے گا کہ بڑا پست ہمت، کم حوصلہ شخص ہے، کہ ترقی کو چھوڑ رہا ہے، یا یہ کہئے گا کہ سبحان اللہ کیسا عالی حوصلہ اور بلند نظر ہے کہ اپنے آقا کی وفاداری میں بیس روپے پر لات ماردی اور اپنے آقا کے پانچ روپے پر قناعت کی۔ اسی طرح اگر ہم لوگ باوجود اس کے کہ اگر دنیا کمانے پر آجائیں تو آپ لوگوں سے اچھی کما کر دکھادیں، پھر بھی اپنے آقا یعنی حق تعالیٰ کی وفاداری کو نہیں چھوڑتے اور خدمت دین میں مشغول ہیں اور اپنے انہیں سوکھے ٹکڑوں پر راضی ہیں تو ہم کو پست ہمت اور کم حوصلہ کیوں کہا جاتا ہے انہیں وکیل صاحب مذکور نے بعد اس وعظ کے جو حال میں بمقام کانپور ہوا تھا حضرت سے عرض کیا کہ دوران وعظ میں تو یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

تو مکمل از کمال کیستی ❁ تو منور از جمال کیستی

وکیل صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد فرمایا کہ اس شعر کا جواب اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا لیکن میں نے کہا کہ میں کیوں کمال اور جمال کا دعویٰ کروں، اس لیے خاموش رہا، وہ جواب یہ تھا:

من مکمل ازکمال حاجیم ❁ من منور از جمال حاجیم

(حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

علمِ دین پڑھانے والا سب سے زیادہ سخی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ:

''سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے (ازراہِ ادب) عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے نبی زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے، پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے کہ جس نے علم دین سیکھا اور اس کو پھیلایا، یہ شخص قیامت کے دن تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آئے گا''۔ (حیاۃ الصحابہ)

اس حدیث میں اللہ ورسول کے بعد سب سے زیادہ سخی اس عالم کو فرمایا ہے کہ جو علم کو شائع کرے، جس طریق سے بھی ہو، خواہ تدریس سے یا وعظ وتلقین سے، خواہ تصنیف سے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر سخاوت کرے اس کا کتنا حق ہوتا ہے۔

پس علم کی اشاعت کرنے والے جن لوگوں پر علم کی سخاوت کر رہے ہیں ان لوگوں پر ان کا کتنا حق ہوگا!

معلم کے اخلاق:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معلم میں نرے رسمی اخلاق ہی نہیں ہونے چاہئیں، تادیب بھی ہونا چاہیے،

متعلمین سے ہر وقت نرمی سے پیش آنا تعلیم کے لیے مضر ہے، ہاں اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ نفسیات کا شمول ذرا بھی نہ ہو اور حد شرعی سے متجاوز نہ ہو جائے، نرمی، رحم دلی مستحسن نہیں، غصہ بھی ہونا چاہیے، نفسیات سے پاک ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر ذرا سی بھی زیادتی گو صورۃً ہی ثابت ہو جاوے تو رجوع کرنے میں تامل نہ ہو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ افک میں قسم کھائی تھی کہ حضرت مسطح (ایک صحابی مہاجر بھولے بھالے تھے اوروں نے چرچا کیا تو انہوں نے بھی کچھ کہہ دیا تھا) کے ساتھ کبھی حسن سلوک نہ کروں گا، مگر ان کی سفارش میں آیت اتری، ولیعفوا ولیصفحوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موم ہو گئے، گویا قسم بھی یاد نہ رہی اور پہلے سے بھی زیادہ سلوک کرنے لگے''۔

بے عمل عالم پوری جماعت کی بدنامی کا سبب بنتا ہے:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''علما کی جماعت میں اگرچہ سب ایسے نہیں ہیں، لیکن ان کے لیے کسی ایک کا ایسا ہونا بھی موجب شکایت ہے، کیوں کہ تباہی ان ہی تک مقصود (منحصر) نہیں رہتی؛ بلکہ اس ایک کو دیکھ کر دوسرے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں، علماء کی جماعت میں اگر ایک شخص بھی لاابالی (بدعمل بے پرواہ) ہوتا ہے تو اس کا اثر سب پر پہنچتا ہے، اور یہ اثر دو طرح ہوتا ہے، ایک یہ کہ اس کو دیکھ کر دوسرے عوام بدعملی پر جرأت کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ سب علماء سے بدگمان ہو جاتے ہیں، اور اس طرح علماء پر اعتراض کی نوبت آتی ہے، اور پھر اعتراض سے بدزبانی تک نوبت آجاتی ہے، اس میں اگرچہ اکثر عوام غلط ہیں، کیوں کہ ''لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْریٰ'' لیکن زیادہ تر اس کا سبب ہم ہیں، اور وہ اعتراضات مخالفین کے نہیں ہوتے، کہ ان کو حسد یا بغض پر محمول کرلیا جائے، یا یہ کہا جائے کہ اعتراضات انبیاء پر بھی ہوئے ہیں، پھر ہم کو اعتراضات کی کیا پرواہ؛ کیوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر اعتراضات کفار کی طرف سے ہوئے تھے، اور علماء پر ان کے موافقین جو ان کا دم بھرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں، یہ بہت بڑا عیب ہے کہ اپنے لوگ

اعتراض کرنے پر مجبور ہوں، ہماری حالت بے حد محل تاسف ہے۔

اس سے عوام الناس پر بہت اثر پڑتا ہے، یعنی ان کو یہ کہنے کی گنجائش ملتی ہے کہ علماء ایسے ہوتے ہیں، اگر خلوص، تقویٰ نہ اختیار کیا جائے تو اسی مصلحت سے اختیار کرلیا جائے کہ اس سے عوام بگڑیں گے، ورنہ ایسے لوگ ''یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے مصداق کہے جاسکتے ہیں، کیوں کہ روکنا جس طرح مباشرۃً ہوتا ہے کہ ہاتھ سے روکے تو اسی طرح تسبب بھی ایک قسم کا روکنا ہے، اس کو بھی صد عن سبیل اللہ کہا جائے گا، کیوں کہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے، اور اسی معصیت کے ساتھ اس کا بھی شمار ہوتا ہے''۔(دعوات عبدیت، ج:۳/۱۱۵)

اہلِ علم اور طلبہ کو تقویٰ کی ضرورت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عربی پڑھنے والے بھی سب عالم نہیں ہوتے، کیوں کہ زبان اور چیز ہے، اور علم اور چیز ہے، میں تو ترقی کرکے کہتا ہوں کہ اگر علمِ دین بھی ہو اور عمل نہ ہو تو وہ بھی محقق عالم نہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علماءِ یہود کے بارے میں فرماتے ہیں: لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ، چوں کہ وہ عمل نہ کرتے تھے، اس لیے باوجود اس کے کہ اس کے قبل ان کی نسبت وَلَقَدْ عَلِمُوْا (یعنی ضرور یہ جانتے ہیں) کا حکم ہے، پھر بھی لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ میں ان کے علم کی نفی کی اور ان کے علم کو کالعدم سمجھا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ علم مطلوب وہی ہے جس کے ساتھ عمل ہو، پس اہل علم ناز نہ کریں کہ ہم نے کتابیں پڑھ لی ہیں، ہم مولوی ہیں۔

یاد رکھو علم کی حقیقت، کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں، میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بدونِ تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتی۔ اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک ہی استاذ سے انہوں نے پڑھا اور فہم وحافظے میں بھی برابر ہوں، لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہوگا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہوگا اور جیسے حقائق حقہ اس کے ذہن

میں آئیں گے، وہ بات غیر متقی میں ہرگز نہ ہوگی، اگر چہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے، مگر خالی اس سے کیا ہوتا ہے۔

اگر تقویٰ ہوگا تو علومِ حقہ قلب پر وارد ہوں گے، اب بھی جس طالبِ علم کا جی چاہے تجربہ کرلے اور تقویٰ کو اختیار کرکے دیکھ لے کہ کیسے کیسے علوم حاصل ہوتے ہیں، اگر خلوص سے تقویٰ اختیار کیا جائے تو اس کی برکت کی تو حد نہیں، اگر خلوص نہ ہو تو امتحان کے لیے کرکے دیکھ لو، اس کی برکت بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لوگے، طلبہ کو خصوصیت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا چاہیے''۔(العلم والعلماء:۱۵۵،۱۵۶)

تدریس کے دوران کسی سے بات کرنا خیانت ہے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں ایک جگہ مدرس ہوں، بعض لوگ اوقاتِ تعلیم میں پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں، ان سے باتیں کرنے میں جو طلبہ کا حرج ہوتا ہے کیا یہ خیانت ہوگی؟ فرمایا: کہ بیشک خیانت ہے، ان لوگوں کو منع کردینا چاہیے کہ یہ کام کا وقت ہے، عرض کیا گیا جو اس وقت تک ہوچکا یا آئندہ اتفاقاً پھر ایسا ہوجائے تو کیا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے، فرمایا: سوائے توبہ کے اور کوئی بدل نہیں، عرض کیا گیا کہ خارج اوقات میں کام کرلیا جائے؟ فرمایا: یہ بھی اس کا بدل نہیں، فرضوں کے قائم مقام نفلیں تھوڑا ہی ہوسکتی ہیں، کام کے وقت کام کرنا چاہیے۔(انفاسِ عیسیٰ)

زمانہ طالب علمی ہی سے عمل کا اہتمام کرنا چاہیے:

طلبہ کو چاہیے کہ پڑھنے ہی کے زمانہ میں عمل کا اہتمام کریں؛ تاکہ استعدادِ علمی کے ساتھ قوتِ عملی میں بھی ترقی ہوتی رہے، عمل کرنے میں ٹال مٹول نہ کریں، اس لیے کہ آج کل کرتے کرتے عمر ختم ہوجاتی ہے اور عمل کی فرصت میسر نہیں ہوتی۔

چناں چہ فاتحۃ العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان بسا اوقات تم لوگوں سے علم میں سبقت لے جاتا

ہے،تو عرض کیا گیا کہ یہ کیسے؟ تو فرمایا اس طرح کہ وہ کہتا ہے: علم طلب کرو، ابھی سے عمل مت کرو، حتی کہ جملہ علوم حاصل کرلو پس ہمیشہ آدمی تحصیل علم میں لگا رہتا ہے اور عمل میں کوتاہی اور ٹال مٹول کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مرجاتا ہے اور عمل سے محروم رہ جاتا ہے۔

طالب علموں سے محبت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجھے طالب علموں سے زیادہ محبت ہے، مریدوں سے اتنی نہیں، مجھ میں طالب علمانہ شان غالب ہے، میں اپنے عیوب طالب علموں سے نہیں چھپاتا، لیکن یہ نہیں چاہتا کہ مریدوں پر میرے عیوب ظاہر ہوں، کیوں کہ میری مریدی کا علاقہ محبت ذرا سی بات سے قطع ہو جاتا ہے، کہ مبنیٰ کا اثر عوام میں حیلا ہے، اور وہ بدل گیا اور طالبِ علمی کا علاقہ محبت قطعاً نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ علم کی وجہ سے قائم ہے، اطلاعِ عیوب کے بعد بھی علم تو اس شاگرد کا باقی ہے، اور علم ہونے تک محبت باقی ہے''۔ (العلم والعلماء: ۴۶)

تعلیم وتدریس:

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے؟ اس کے بارے میں حکماء اور فلاسفہ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ انسان میں ایک جوہر ہے جو دوسری چیزوں میں نہیں ہے، اور وہ عقل ہے، تو بناء اشرفیت عقل ہے، جو اس کے اندر ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ دعویٰ کچھ نامکمل ہے، فی الجملہ صحیح بھی ہے، لیکن محض عقل پر بنیاد رکھ دینا یہ انسان کی افضلیت کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے کہ عقل تھوڑی بہت جانوروں میں بھی موجود ہے۔ بعض حکماء نے دعویٰ کیا کہ ''عقل'' بناء افضلیت نہیں بلکہ افضلیت ''علم'' ہے، جانوروں کو علم نہیں دیا گیا بلکہ انسانوں کو علم دیا گیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ بھی صحیح نہیں، فی الجملہ صحیح ہے، مگر اس پر دارومدار نہیں رکھ سکتے، اس لیے کہ علم تو جانوروں کو بھی ہے''۔ (جواہر حکمت: ۱۷۸)

طریقۂ تدریس سے متعلق چند گذارشات

شوکت علی قاسمی بستوی، استاذ دارالعلوم
وناظم عمومی رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم، دعوت اور تزکیے کے ذریعہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت وغیرہ سے متعلق قرآن وسنت کی تعلیمات وارشادات امت تک پہونچائیں، ان تینوں میں مقصود تو دعوت وتزکیہ ہے، لیکن دعوت وتزکیے کی اساس تعلیم ہے، علومِ قرآن وسنت حاصل کیے بغیر نہ صحیح طور پر تزکیہ ہوسکتا ہے، نہ دعوت کا کام ہی انجام دیا جاسکتا ہے؛ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إنّما بُعِثْتُ مُعَلِّماً . (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۲۹)

''مجھے تعلیم دینے والا ہی بنا کر بھیجا گیا ہے''۔

مسجد نبوی میں قائم، صفّہ ہجرت کے بعد اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا مدرسہ تھا، جس کے عالی قدر استاذ، معلّمِ انسانیت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ کا سلسلۂ نسب اسی صفّے سے جاملتا ہے، صُفّہ سے مشعل راہ ہے، صفّۂ نبوی میں تعلیم کا نصاب آیتِ قرآن: فَلَوْلَا نَفَرَمِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَة لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ. (سورہ توبہ: ۱۲۲) میں بیان کیا گیا ہے۔

مدارسِ اسلامیہ کا نصاب، نظام، اور طریقۂ کار بھی اسی صفہ کے نہج میں قائم کیا گیا، اس لیے مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم وتدریس بھی حضرت خاتم الانبیاء والرسل کی وراثت ہے، اور اس کے بھی اصول وآداب ہیں، جن کا لحاظ بے حد ضروری ہے۔

عام طور پر نصابِ تعلیم کی تبدیلی کا مطالعہ زور شور سے کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا نصاب اپنے طور پر مقاصد عالیہ کے حصول میں کافی اور وافی ہے، اور ضرورت طریقۂ تعلیم کی اصلاح اور نصاب میں شامل کتابوں کی کما حقہ تدریس کی ہے۔

ذیل میں کامیاب اور مثالی استاذ کی چند صفات حضرات اکابر کی تحریرات اور اساتذۂ کرام کے افادات کی روشنی میں تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) اخلاص ہر کام میں کام یابی، مقبولیت اور بافیض ہونے کے لیے ضروری ہے، طلبہ بھی وہی کام یاب اور مقبول دینی خدمت کے لائق ہو پاتے ہیں، جو تصحیح نیت کے ساتھ تعلیم حاصل کریں، اسی طرح اساتذہ بھی وہی نیک نام اور فیض رساں ہوتے ہیں جو اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں اور قرآن وسنت اور علومِ اسلامیہ کی بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں، تن خواہ اور دنیاوی نفع مقصود نہ ہو۔

(۲) قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے، جو انھوں نے عزیز مصر سے فرمایا تھا:

"اجعَلْنِي عَلىٰ خَزَائِنَ الأَرْضِ، إِنِّي حَفِيْظٌ عَلِيْم. (سورہ یوسف:۵۵)

مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دیجیے، میں دیانت بھی رکھتا ہوں اور علم بھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دو وصف سے متصف ہونا ضروری ہیں، ایک امانت ودیانت، دوسرے علم ولیاقت، اساتذہ میں بھی یہ دو وصف ان کی کام یابی کے لیے ضروری ہیں۔

(۳) تعلیم وتدریس کے لیے نہایت اہم صفت، طلبۂ عزیز پر شفقت ومحبت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إنّما أنا لكم بِمَنْزِلَة الوالد لولده". (ابوداؤد، ج:۱رص:۳)

میں تمہارے لیے اسی طرح (شفیق) ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے (شفیق) ہوتا ہے۔

(۴) شفقت کے ساتھ نرمی ضروری ہے، حدیث پاک میں ہے:

"إن الرِّفقَ لايَكون في شيءٍ إلّا زَانَهُ، ولا يُنزَعُ من شيءٍ إلّا شانه. (مسلم)

نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے وہ اسے خوب صورت بنا دیتی ہے، جب کسی چیز سے نرمی نکال لی جاتی ہے تو وہ عیب دار بن جاتی ہے

(۵) استاذ کا مدرسے، انتظامیہ، طلبہ کے تئیں خیر خواہ ہونا ضروری ہے، نبی اکرم صلی اللہ وسلم فرماتے ہیں:

"الدين النصيحة. (دین خیر خواہی کا نام ہے)۔ (مسلم شریف، حدیث نمبر:۵۵)

(۶) ہم خدام مدارس کو وقت کی پابندی کا پورا لحاظ کرنا چاہیے، حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ، سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کا معمول حضرت الاستاذ حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ، سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے متعدد بار سنا کہ حضرت وقت کے اتنے پابند تھے کہ گھنٹہ بجتے ہی درس گاہ کے اندر تشریف لے آتے اور گھنٹہ بجتے ہی سبق چھوڑ دیتے تھے، چاہے متعلقہ مسئلہ ابھی پورا نہ ہوا ہو، حضرات اساتذۂ کرام فرماتے ہیں کہ وقت کی پابندی میں بڑی برکت ہے، اس سے اسباق میں توازن واعتدال بھی رہتا ہے اور کتاب بھی وقت پر اطمینان کے ساتھ پوری ہوجاتی ہے۔

(۷) یہ دور اختصاص ومہارت کا ہے، جس فن سے استاذ کی زیادہ دل چسپی ہو اس فن کی کتابیں پڑھانی چاہئیں، اور اگر کسی ایسے فن کی کتاب پڑھانے کے لیے مل جائے جس سے زیادہ مناسبت نہ ہو تو بھرپور جدوجہد کر کے مناسبت پیدا کرنی چاہیے، اور جہاں دشواری پیش آئے وہاں اپنے اساتذہ یا احباب کے تعاون سے کتاب پر گرفت مضبوط کرنی چاہیے، تاکہ پوری دیانت داری اور خود اعتمادی سے کتاب پڑھائی جا سکے، اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی معذرت کر دی جائے، اسی طرح طلبہ کے سامنے کسی کتاب کی اہمیت کم کر کے نہ بیان کی جائے، ورنہ طلبہ بھی اُس کتاب کی تعلیم

سے برگشتہ ہوجائیں گے۔

(٨) درس نظامی کے نصاب میں شامل ہر کتاب کا ایک خاص مقصد ہے، وہ مقصد جب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب کتاب اس طریقے پر پڑھائی جائے جو اس کے پڑھانے کا صحیح طریقہ ہے، اس سلسلہ میں فقیہ العصر حضرت مولانا محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا قیمتی مضمون رسالہ میں شامل ہے جو حضرت مولانا کے رسالہ: ''درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں؟'' سے ماخوذ ہے، اس کا بغور ملاحظہ فرمایا جائے، اس کی روشنی میں کتاب کا طریقۂ درس متعین کیا جائے۔

(٩) استاذ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ علم وتحقیق کے ساتھ شریعت پر عامل بھی ہو، جتنا عمل اور اتباعِ سنت ہوگا، طلبہ اور عوام میں استاذ کی اتنی ہی محبوبیت پیدا ہوگی، جس سے استفادے میں مدد ملے گی۔

(١٠) درس اور تدریس دونوں کی کامیابی کے لیے مطالعہ ضروری ہے، طلبہ بھی سبق کا مطالعہ پہلے کرکے آئیں، پھر غور سے استاذ کا سبق سنیں، ضروری امور کاپی پر نوٹ بھی کریں، پھر اس کو دہرائیں، اور تکرار ومذاکرہ کریں۔

اسی طرح استاذ کے لیے بھی کتاب کا بھرپور مطالعہ ضروری ہے، کتاب کے حاشیے، شروح ومتعلقات کا مکمل مطالعہ کریں، البتہ طلبہ کے سامنے آسان انداز میں صرف اتنی باتیں ہی بتائیں جو کتاب فہمی میں معاون ہوں۔

میں نے استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب، سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے براہِ راست سنا ہے، فرماتے تھے:

''جب میرا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا تو میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروھوی قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمادیں، حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب! مطالعہ کرکے پڑھائیں؛ لیکن طلبہ کو اتنا ہی بتائیں جو ان کے لیے ضروری ہو''۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس فن کی نیچے کی اور اوپر کی کتابیں بھی مطالعہ میں رہیں، استاذ گرامی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

''اگر استاذ کو قدوری پڑھانی ہے تو اس کے نیچے نور الایضاح، مالابدّ منہ اور تعلیم الاسلام کو مطالعہ میں رکھنا ضروری ہے، اور اس سے اوپر کتابیں، مثلاً: شرح وقایہ، ہدایہ، شامی اور بدائع الصنائع وغیرہ میں متعلقہ بحث کا مطالعہ کرے، پھر طلبہ کو ضروری باتیں ہی بتائے، اور باقی حاصل مطالعہ اپنی کاپی میں محفوظ رکھے'' اس سے فن میں اس کو بصیرت اور مہارت حاصل ہوگی۔

اس سلسلے میں حضرت استاذ الاساتذہ، جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کا واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد دارالعلوم سے رخصت ہونے کے موقع پر حضرت علامہ قدس سرہ کی خدمت میں ملاقات اور دعائیں لینے کے لیے حاضر ہوا اور نصیحت کی درخواست کی، تو فرمایا: مولوی صاحب! فن دیکھ کر پڑھائیو، علم آئے گا، طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح شفقت کی جیو، طلبہ تم سے محبت کریں گے، سنتوں کی اتباع کی جیو، عوام میں تمہاری مقبولیت ومحبوبیت پیدا ہوگی''۔

(١١) سبق کی تدریس کے لیے منصوبہ بندی اور تخطیط کا ایک اہم جز مطالعہ ہے، مطالعہ کے بعد دوسری چیز یہ ہے کہ پورا سبق اپنے ذہن میں مرتب کرے، سب کے مطالعہ کے بعد اس کو ذہنی طور پر مرتب کیا جائے، اور اگر سبق اہم یا پیچیدہ ہے تو پہلے ترتیب کاغذ پر لکھی جائے، پھر ذہن میں اس کو محفوظ کیا جائے، پھر سبق میں طلبہ کے سامنے اسی ترتیب سے کتاب پڑھائی جائے۔

(۱۲) سبق میں عبارت کسی ایک یا چند ہی طلبہ سے نہ پڑھوائی جائے، نہ عبارت پڑھنے کے لیے طلبہ کی باری مقرر کی جائے، بلکہ پہلے ہی اعلان کر دیا جائے کہ روزانہ کیف ما اتفق کسی بھی طالب علم سے عبارت پڑھوائی جائے گی، لہٰذا ہر طالب علم عبارت کا مطالعہ کرے، وجوہ اعراب کی روشنی میں عبارت صحیح کر کے آئے اور اگر عبارت خوانی میں غلطی ہو تو عبارت صحیح کرائی جائے، اور غلطی کی وجہ بھی بتائی جائے، طلبہ کو بتایا جائے کہ کتاب میں عبارت پر جو اعراب لگا ہوا ہے اس پر بھروسہ نہ کریں، کہ بعض دفعہ اعراب غلط لگا ہوتا ہے، نحو وصرف کے قواعد کی رعایت کر کے خود عبارت صحیح کریں، نیز کسی لفظ کے شبہ ہو عربی لغت دیکھ کر صحیح کریں یا استاذ صاحب معلوم کر لیں۔

(۱۳) ابتدائی جماعتوں میں (چہارم تک) عبارت سے قریب لفظی ترجمہ کرایا جائے؛ تاکہ ہر لفظ کا صحیح معنی طالب علم کو معلوم ہو، اوپر کی جماعتوں میں بامحاورہ ترجمہ کرایا جائے، لیکن اک دم آزاد ترجمہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۴) غریب اور مشکل الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق پر بھی توجہ دی جائے، خصوصاً ترجمہ قرآن کریم اور کتب تمرین اور عربی ادب کی کتابوں میں۔

(۱۵) تمرین میں، عربی سے اردو، اردو سے عربی جملے بنوائے جائیں اور عربی بات چیت پر بھی زور دیا جائے اور اس کی کوشش کی جائے کہ طلبہ میں عربیت کا ذوق پروان چڑھے۔

(۱۶) سبق میں تمام طلبہ پر توجہ یکساں رکھی جائے اور سب پر شفقت کی جائے، صرف چند ہی طلبہ پر توجہ مرکوز نہ رکھی جائے۔

(۱۷) اسباق سُنے بھی جائیں خصوصاً نیچے کی جماعتوں میں، محنت کرنے والے اور صحیح جواب دینے والے طلبہ کی ہمت افزائی کی جائے، لیکن سبق یاد نہ کرنے والے یا صحیح جواب نہ دینے والے طلبہ کو عار نہ دلائی جائے، نہ شرمندہ کیا جائے، بلکہ نرمی سے متوجہ

کیا جائے، یہ نفسیاتی طور پر طلبہ کے لیے بے حد نقصان دہ ہوتا ہے۔

(۱۸) شروع ہی میں طلبہ کو درس میں بیٹھنے کے آداب بتا دیے جائیں، کہ وہ استاذ کی طرف متوجہ رہیں، بات چیت نہ کریں، اِدھر اُدھر نہ دیکھیں، موبائل لے کر درس گاہ میں نہ آئیں۔

(۱۹) مشہور ماہر تعلیم، استاذ محترم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ، سابق معاون مہتمم دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے:

”اگر استاذ محنت سے پڑھاتا ہے اور کتاب طلبہ کے سمجھ میں اچھی طرح آجاتی ہے تو طلبہ کے چہروں کے خدوخال سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، ان کے چہروں پر ایک خاص سرور کی کیفیت اور آنکھوں میں چمک نمایاں ہوتی ہے“۔

(۲۰) کبھی کبھی بعض کتابوں میں اس کی بھی کوشش کی جائے، کہ کوئی طالب علم کتاب کا ترجمہ خود کرے، حضرت شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب علیہ الرحمہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کا یہ خاص انداز تھا کہ ”ہدایہ آخرین“ میں عبارت خوانی کے بعد متعلقہ سبق کی تشریح فرماتے، صورت مسئلہ بیان کرتے، ائمہ کے دلائل وغیرہ کی وضاحت فرماتے اور اس طرح بحث فرماتے جیسے جج عدالت میں بحث کرتا ہے، پھر جس طالب علم نے عبارت پڑھی ہے وہی اس کا ترجمہ کرتا اور حضرت مسئلہ وغیرہ کو عبارت سے منطبق فرماتے جاتے تھے۔

الحمد للہ! حضرت والا کے سامنے ناچیز کو بھی اکثر وبیشتر عبارت پڑھنے کا موقع ملتا تھا، اس سبق کی مکمل تیاری کر کے درس گاہ میں آنا پڑتا تھا، یہ طریقہ بھی حد درجہ مفید محسوس ہوا۔

(۲۱) کوشش کی جائے کہ سبق کا مکمل مطالعہ کر کے سبق کے لیے جایا جائے، کہ عبارت یا مسئلہ کا جز ایسا نہ رہ جائے جس پر توجہ نہ ہو، تاکہ سبق میں دشواری نہ پیش آئے، لیکن کبھی اگر ایسا ہو جائے تو اس میں محجوب ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ صفائی

سے کہہ دیا جائے کہ اس کی وضاحت کل کردی جائے گی، میں نے اکابر اساتذۂ کرام سے سنا ہے کہ دارالعلوم کے خیرالقرون دور میں بعض بڑے اساتذۂ دارالعلوم، سبق کے دوران اٹھ کر حضرت شیخ الہندؒ کے پاس آتے، حضرت سبق پڑھا رہے ہوتے، ان سے متعلقہ مسئلہ میں استفسار کرتے، حضرت وضاحت فرماتے، اور وہ آکر سبق میں طلبہ سے بیان کرتے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اس مسئلہ کی یہ تقریر فرمائی ہے۔

(۲۲) طلبۂ عزیز کی ذہن سازی کی جائے کہ متعلقہ کتاب کی تفہیم وتشریح کے سلسلہ میں استاذ جو ضروری اور مفید باتیں بتائیں، ان کو خوب توجہ سے سنیں، انہیں ذہن نشیں کریں اور اپنی کاپی میں تحریر بھی کریں، اگر ضرورت ہو تو کتاب کے عربی حاشیہ کو اچھی طرح دیکھ کر حل کریں، شرح دیکھنے کا شوق ہو تو عربی شرح دیکھیں، اردو شرحوں سے اجتناب برتیں، کہ اردو شرحوں کی عادت سے سہولت پسندی آتی ہے، اگر کتاب سمجھ میں بھی آجائے تو جلد ذہن سے نکل بھی جاتی ہے، اور صلاحیت نہیں بن پاتی، نہ خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے، اور نہ ہی امتحانات میں پرچے عربی لکھے جاسکتے ہیں۔

(۲۳) کامیاب اساتذہ کا ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ ان میں باہمی رنجش وغیرہ نہ ہو، بلکہ ربط واتحاد اور تعاون وتناصر کا جذبہ موج زن ہو، ذمہ داران اور اساتذہ میں اتحاد واتفاق کا ماحول ہو، اس سے تعلیم وتربیت کے لیے سازگار ماحول بنے گا اور اس کے اثرات طلبہ پر بھی اچھے پڑیں گے۔

(۲۴) کامیاب اساتذہ، طلبۂ عزیز کے اعمال واخلاق اور دل چسپیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں، اور موقع بہ موقع نرمی اور ہمدردی کے ساتھ ان کی اصلاح بھی فرماتے رہتے ہیں؛ اس لیے درس کے اندر اور درس کے بعد بھی طلبہ کی وضع قطع، اخلاق وکردار کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھی جائے۔

یہ چند امور اور گذارشات ہیں، اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز کو بھی صحیح طور پر ان امور کا لحاظ

کرنے اور تدریس کی خدمت احسن طریقے پر انجام دینے کی توفیق ارزانی فرمائے، اساتذۂ کرام تو عموماً ان امور کی رعایت فرماتے ہیں، اگر مزید توجہ ہو جائے، چاہے مدرسے کی طرف سے اس کا مکلّف کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، تو خوب سے خوب تر ہو جائیں گے۔

آئندہ صفحات میں طریقۂ تعلیم کی اہمیت اور طریقۂ تدریس کی اصلاح کے سلسلہ میں نہایت مفید تحریرات پیش کی جارہی ہیں، بندہ شکرگذار ہے کہ گرامی قدر محترم، میر کارواں، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ نے طریقۂ تعلیم کے سلسلہ میں اپنے قیمتی مشورے اور تجاویز تحریر فرمائیں۔ اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم ومعارف کے امین، محدث جلیل، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی چشم کشا تحریر میں مدارسِ اسلامیہ میں معیارِ تعلیم کے انحطاط کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، اور تعلیمی استحکام کے لیے مفید مشوروں سے نوازا ہے، بندہ مذکورہ دونوں ہی اکابر کا تہہ دل سے شکرگذار اور ممنون ہے۔

نیز درسِ نظامی کی کتابوں کی کام یاب تدریس کے لیے امامِ اکبر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، فقیہ العصر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم اور حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب زید مجدہم کے گراں قدر مضامین آئندہ صفحات میں شامل ہیں، جوان شاء اللہ بڑے چشم کشا اور بصیرت افروز ثابت ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے کامل استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تدریس وتحقیق کے رہنما اصول

[حجۃ اللہ فی الارض، امام اکبر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنے گراں قدر رسالہ ''فن دانش مندی'' میں تدریس وتحقیق کے لیے نہایت قیمتی رہنما اصول بیان فرمائے ہیں، سطورِ ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے، شوکت علی قاسمی]

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: فن دانش مندی کا مطلب ہے ''کتاب فہمی''۔

کتاب فہمی کے تین درجے ہیں:

اوّل: کتاب کا بغور مطالعہ کرے اور اُس کے مطالب ومقاصد کو اچھی طرح دریافت کرلے۔

دوم: کتاب پڑھائے اور اس کی حقیقت شاگردوں کو سمجھائے۔

سوم: اُس کتاب کی شرح یا اُس پر حاشیہ تحریر کرے اور تفصیل سے کتاب کے مطالب ومعانی کی تشریح وتوضیح پیش کرے۔

اس میں دو فائدے ہیں:

اوّل: کتاب کا مطالعہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوگا اور (ان رہنما اصولوں کی روشنی میں کیا جانے والا) مطالعہ اکثر اوقات درست ہوگا۔ اِس کی تفصیل یوں ہے کہ جب طالب علم فنِ صرف، نحو اور علمِ لغت کی طرح اس فن دانشمندی کی رہنمائی میں کسی کتاب کا اولاً مطالعہ کرے گا، اُس کتاب کی شرح اپنے سامنے رکھے گا، نیز اُس کا مُشفق استاذ اپنے طریقِ تدریس سے ان قواعد وضوابط کو اچھی طرح ذہن نشین کرادے گا، اِس کے بعد ہر مقام میں کلام شارح کے علمی نکتہ پر مطلع ہوگا تو ان اسباب وقرائن سے فہمِ کتاب کا سلیقہ پیدا ہوجائے گا؛ کیونکہ کلیات پر عبور حاصل کرنے کے بعد جزئیات کا احاطہ کرنا اور دیگر جزئیات کا سُراغ لگانا بہت آسان ہوجاتا ہے۔

دوم: جو بزرگ ''فن دانشمندی'' میں مستند ومعتمد شمار ہوتے ہیں، جیسا کہ اسی سند میں

بہت سے علماء مذکور ہیں، انہوں نے فن دانشمندی اور علم کلام وعلم اصول کو باہم خلط کردیا ہے، جس سے ایک طالب علم کو ان علوم کے باہمی امتیاز میں مشکل پیش آتی ہے اور وہ ان تینوں علوم کی ہیئت اجتماعیہ ہی کو علم واحد شمار کرتا ہے، جیسا کہ اس زمانے کے اکثر خام طبع لوگوں کا حال ہے (اس عدم امتیاز کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ) انتشار اطراف کی وجہ سے علم کا اچھی طرح احاطہ نہیں کرسکتا اور اس نکتے (کہ فن دانشمندی، علم کلام واصول سے الگ شئی ہے) کی طرف ذہن منتقل نہ ہونے کی وجہ سے فن دانشمندی بھی اچھی طرح حاصل نہیں کرسکتا۔

جاننا چاہیے کہ جو استاذ درایت وتحقیق سے اپنے شاگردوں کو کوئی کتاب پڑھانا چاہے اُسے پندرہ باتوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔ اِسی طرح کسی کتاب کی شرح تحریر کرتے ہوئے بھی ان امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

۱- : ضبطِ مُشکل: یعنی عبارت میں کوئی اسم وفعل محل اِشتباہ ہو تو اس کی حرکات (مثل زیر، زبر، پیش) اور سکنات بیان کرے۔

تتمہ: اسی طرح الفاظ کا منقوط وغیر منقوط ہونا بیان کرے؛ تاکہ غلط کتابت وتلفظ سے محفوظ رہے۔

۲-: شرحِ غریب، یعنی اگر کوئی کم استعمال ہونے والا لفظ ہو اور شاگرد اُس کا معنی نہ سمجھتے ہوں تو لغت واصطلاح کے اعتبار سے اُس لفظ کی وضاحت کردے۔

۳-: کشفِ مغلَق: یعنی اگر عبارت میں کوئی مشکل ترکیب یا مشکل صیغہ ہو جو شاگردوں کے ذہن پر بار ہو تو ایسی ترکیب اور صیغے کو علمِ نحو وصرف کے مطابق حل کردے۔

۴-: تصویرِ مسئلہ: یعنی اگر عبارت میں کسی قاعدہ کلیہ کا بیان ہو جو شاگردوں کے ذہن نشین نہ ہو رہا ہو تو اُس کو واضح عبارت سے بیان کرے اور مثالوں سے سمجھائے؛ تاکہ شاگردوں کے ذہن نشین ہوجائے۔

۵-: تقریبِ دلائل: یعنی اگر صاحب کتاب نے کسی مسئلہ پر کوئی دلیل قائم کی ہے تو اُس دلیل کے مقدمات مخفیہ کو اس طرح بیان کرے کہ بعض مقدمات کو بعض سے ملانے پر

یا بعض مقدمات کے بعض دیگر مقدمات میں مندرج ہونے سے مدعا ثابت ہو جائے۔ اس کے بعد مقدمات بدیہیہ کی طرف رجوع کرے؛ تاکہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

۶-: **تحقیق تعریفات به بیان فوائد قیود** (یعنی اصطلاحات کی تعریف میں تحقیق سے کام لے اور تعریف میں موجود قیودات کے فوائد بیان کرے)

تتمہ: حدّ جامع مانع اور غیر مستدرک کی تفصیلی تقسیم اور طریق انتزاع بھی اسی (تحقیق تعریفات) کے قبیل سے ہے۔

۷-: فوائدِ قیود کے ساتھ قواعد کلیہ بیان کرے اور تقسیم ومثال کی تفصیل اور اس میں سے قاعدے کی وجہ انتزاع اس طرح بیان کرے جو غیر مستدرک اور جامع ومانع ہو۔

۸-: تقسیمات میں وجہ حصر کی وضاحت کرے؛ خواہ وہ حصر استقرائی ہو یا عقلی اور یہ وضاحت اس طرح ہو کہ حصر بالکل واضح ہو جائے۔ اسی طرح فصول وقواعد میں تقدیم وتاخیر کی وجہ بیان کرے۔

۹-: **تفریق ملتبسین**: یعنی جو دو اَقسام بادیٔ النظر میں ایک دوسرے سے ملتبس ہو رہی ہوں، یا جو دو مذہب بادیٔ النظر میں مشتبہ ہو رہے ہوں، اُن کے درمیان فرق کی روشن تقریر کرے (تاکہ دونوں کا باہمی التباس واشتباہ دور ہو جائے)

۱۰-: **تطبیق مختلفین**: یعنی اگر کسی مصنف کی عبارات میں دو جگہ اختلاف ہو جائے، اس اختلاف کو دور کرے؛ خواہ دونوں عبارات کا اختلاف دلالت مطابقی کی صورت میں ہو یا ایک میں دلالت مطابقی ہو اور دوسری جگہ دلالت تضمنی یا التزامی ہو۔

۱۱-: دفع شبہات ظاہر الورود: یعنی ظاہری طور پر وارد ہونے والے شبہات کو دور کرنا مثلاً تعریفات میں جو چیزیں ممنوع ہیں (ان میں سے کوئی چیز موجود معلوم ہو رہی ہو تو اس شبہ کو دور کرنا کہ یہ ممنوع چیز جو بظاہر موجود نظر آ رہی ہے حقیقت میں ایسا نہیں) جیسا کہ استدراک، تعریف الشی بالأخفی، عدم جمع ومنع یا جو چیز دلائل میں ممنوع ہے، جیسے جزئیت کبری، یا مخالف مصنف کوئی ایسا کلام پیش کرے جو بادیٔ الرای میں

شاگردوں کی نظر میں کھٹکتا ہو یا مناظرے میں قواعد مناظرہ کی رعایت محسوس نہ ہوتی ہو؛ اس قسم کا کوئی اشکال وارد ہو تو دور کرے۔

۱۲-: کوئی حوالہ ذکر کیا ہو تو حوالے والی اصل جگہ یا اصل مسئلہ بتانا ''فیہ نظر'' کہا ہو تو اس ''نظر'' کی وضاحت کرنا، کسی مقدر عبارت کی طرف اشارہ ہو تو اس کی وضاحت کرے۔

۱۳-: اگر شاگردوں کی زبان، کتاب کی عبارت کے مخالف ہو تو شاگردوں کی زبان میں عبارت کتاب کا ترجمہ کرنا (مثلاً عربی کتاب کا اردو خواں طلبہ کے سامنے اردو میں ترجمہ کرے)

۱۴-: مختلف توجیہات کی تنقیح کرے اور ان میں اصوب توجیہ کی نشاندہی کرے۔

مثلاً اگر کسی امر میں مدرسین وشراح کی آرا، میں اختلاف ہو ایک جماعت ''شرح غریب'' کا طرز اپنائے، دوسری جماعت کوئی دوسرا طرز اور توجیہات میں نزاع واختلاف پیدا ہو جائے، تو استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ پہلے ان توجیہات کی تنقیح کرے پھر ان میں سب سے بہتر کی تعیین کرے، یہی معاملہ مشکل الفاظ کے ضبط اور مشکل لغات وتراکیب کے حل وغیرہ میں اختیار کرنا چاہیے۔

۱۵-: سہولت تقریر، یعنی ان بارہ باتوں کو ایسی واضح مختصر عبارت سے بیان کرے جو سہل الحصول اور آسانی ذہن نشین ہونے والی ہو اور اسی کا حصہ یہ بات بھی ہے کہ استاذ اپنی تقریر کو مصنف کی عبارت کے ساتھ اس طرح جوڑ دے جس سے دونوں متصل (اور ایک ہی شئ معلوم ہوں) جب (صاحب تدریس وتحقیق) ان پندرہ صفات کا حق ادا کرے گا تب تدریس اور تشریح کتب میں کامل ہوگا۔

مشفق استاذ کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کو ان امور پر بھی مطلع کرے۔

اوّل: ان (مذکورہ بالا امور) پر اجمالی طور سے مطلع کر دے۔

دوم: جب شروحات میں ایسے امور سامنے آئیں تو انھیں متنبہ کرتا جائے کہ اس جگہ شارح کی غرض فلاں بات تھی اور یہاں یہ نیا نکتہ ہے۔

سوم: استاذ شاگردوں کو تاکید کرے کہ وہ مطالعۂ کتب میں ان امور کو پیش نظر رکھیں اور انہی میدانوں کو اپنی فکر کی جولان گاہ بنائیں۔

چہارم: شاگرد کے مطالعے کو خود سنے، اگر کہیں وہ غلطی کرے تو اس پر متنبہ کرے، جس سے اس کو اپنی غلطی سمجھ میں آجائے (تاکہ آئندہ بچ سکے) اور اس غلطی کے مثل دیگر چیزوں پر بھی احتیاطاً متنبہ کردے۔

پنجم: کسی کتاب کا حاشیہ یا شرح لکھوائے اور اس کی علمیت کا امتحان لے تاکہ حق تربیت کمال کو پہنچے۔ (ترجمہ فن دانش مندی، مطبوعہ رسالہ دارالعلوم: ۱۷۱تا۱۷۵، مارچ، اپریل ۲۰۱۲ء)

*****

ضروری ہدایات برائے منتظمین و مدرسین:

از: حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

۱۔ مدرسین کو لازم ہے کہ اپنی وضع قطع علمی اور روحی کیفیات ایسی بنائیں جس کا نہایت عمدہ اثر طلبہ پر پڑے اور حتی الوسع نہ صرف ممنوعات و مکروہات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں بلکہ مواقع تہمت اور لایعنی امور سے بھی اسی طرح گریزاں رہیں جس طرح سانپ اور بچھو سے گریزاں رہتے ہیں، طلبہ کی اخلاقی اصلاح کی ذمہ داری مدرسین اور صرف مدرسین ہی پر ہے۔

۲۔ تعلیم کے اوقات میں پوری کوشش کریں کہ طلبہ مضامین کتاب کو بخوبی سمجھ لیں، مگر تقریر کو اس قدر طویل نہ کیا جائے جس سے وقت بھی ضائع ہو اور طلبہ کے اذہان احاطے سے قاصر رہیں، نفس مطلب اور ضروری متعلقات پر اختصار کریں۔

۳۔ مدرسین پر لازم ہے وہ طلبہ کی طرف سے تغافل کو کسی طرح روا نہ رکھیں، اور ان کی

تعلیمی جانچ پڑتال اور خبر گیری رکھتے ہوئے اخلاقی حالات کو بھی ہمیشہ زیر نظر رکھیں، اور ہمیشہ حکمت اور مواعظِ حسنہ سے ان کی اصلاح کرتے رہیں۔

۴۔ ماہ وار یا کم از کم ہر سہ ماہی میں طلبہ کا امتحان لیا جائے۔

۵۔ طلبہ کی حاضری کا پورا خیال رکھا جائے، ان کو ڈھیل ہرگز نہ دی جائے اور منتظمین اس کا خیال رکھیں کہ کہیں وہ مجامع غیر جائزہ اور افعالِ ناشائستہ کے مرتکب تو نہیں ہوتے۔

۶۔ طلبہ کو جلدی جلدی اپنے اوطان کو جانے اور ناغہ کرنے سے بھی برابر روکا جائے۔

۷۔ مدرسے میں کتب خانہ ہونا ضروری ہے، جس میں کتبِ درسیہ اور ان کے شروح و حواشی مکمل طریقے پر موجود ہوں؛ تاکہ مدرسین اور طلبہ بوقت ضرورت استفادہ کرسکیں۔

۸۔ مدرسے میں دارالمناظرہ ہونا ضروری ہے، جس میں مناظرے کے متعلق ہر مذہب کی کتابیں اور ان کے رد والی کتابیں موجود ہوں؛ تاکہ طلبہ مشقِ مناظرہ کے لیے ان سے مدد حاصل کریں۔

۹۔ مدرسین کو لازم ہے کہ کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کرکے پڑھایا کریں اور طلبہ کو صحیح مطالب سہل کرکے سمجھایا کریں۔

۱۰۔ جہاں تک ممکن ہو مدرسین اور منتظمین طلبہ پر سختی روا نہ رکھیں، اور ان کو ترغیب اور طمع دے کر شدتِ اجتہاد اور ترقی کے میدان میں گامزن کریں۔

۱۱۔ چھوٹے بچوں پر زیادہ تر شدت اور مار پیٹ کی بوچھاڑ نہ کی جائے، بلکہ ان کو لطائف حیل و سے تعلیم کا گرویدہ بنالیا جائے۔

۱۲۔ طلبہ کے افکار و ارواح میں مثل مذہبیت، قومیت اور وطنیت کی روح بھی پھونکنی نہایت ضروری ہے، اس لیے مدرسین اور منتظمین کو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے اور اپنی علمی اور قولی سرگرمیوں سے ان پر پورا اگر گہرا اثر ڈالنا چاہیے۔

(نصاب تعلیم، مرتبہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ: ۱۳، ۱۴)

کامیاب تدریس کے زرّیں اصول

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ مدرسین حضرات کا طریقہ تدریس یہ ہونا چاہیے کہ:

(الف) کتاب کے مشکلات کو سادے الفاظ میں اور اختصار کے ساتھ حل کرنے کی کوشش۔

(ب) تعبیر کے لیے عمدہ دل نشین واضح طریقہ اختیار کریں۔

(ج) کتاب کے حل کرنے میں قطعاً سستی سے کام نہ لیا جائے۔

(د) حل کتاب کے بعد فن کی مہمات پر طلبہ کو متوجہ کیا جائے۔

(ھ) جس مشکل کی شرح کسی نے عمدہ کی ہے ان کا حوالہ دیا جائے اور طلبہ کو ان مآخذ سے روشناس کرایا جائے، تاکہ مستعد وذہین طلبہ اپنی معلومات کو آگے بڑھا سکیں۔

(و) فضول وبیکار مباحث میں طویل تقریر کرکے طلبہ سے داد حاصل کرنا، یہ تدریس کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اس کو ختم کرنا چاہیے۔

(۲) کتابوں کے اختتام، اور اول سے آخر تک تعلیم میں تطابق (یکسانیت ہو) جو کتابیں ایسی ہیں جن کا ختم کرنا ضری ہے، پوری توجہ کرنی چاہیے کہ کتاب ختم ہوجائے، کوئی بحث رہ نہ جائے، جب تک کتاب ختم نہ ہو اس کا امتحان نہ لیا جائے اور اس مشکل پر قابو پانے کے لیے کتابوں کو تین حصوں پر تقسیم کرنا چاہیے، کہ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان تک کہاں سے کہاں تک کتاب پہنچ جانی چاہیے، اس کا شدت سے انتظام کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ابتداء میں ماہ دو ماہ بڑی بڑی تقریریں ہوں اور آخر میں صرف ورق گردانی (جیسا کہ ہدایہ، مشکوٰۃ اور درجہ ثامنہ (دورہ حدیث) کی کتابوں کے ساتھ کیا جاتا ہے) جس نے علم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی ہے۔

۳۔ جو اساتذہ جن کتابوں کے لیے زیادہ موزوں ہوں، علمی استعداد اور طبعی رجحانات کے اعتبار سے تقسیم اسباق میں اس کا خیال ضرور رکھا جائے۔

۴۔ ابتدائی دو سال کی تعلیم میں نتائج امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، ناکام کو قطعاً کسی مراعات کی بنا پر کامیاب نہ بنایا جائے، وسط اور انتہائی تعلیم میں معقول اعذار کی بنا پر تسامح قابل برداشت ہے، لیکن ابتدائی تعلیم میں ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔

۵۔ ابتدائی تعلیم اچھے اور تجربہ کار مدرسین کے حوالہ کرنی چاہئے، جو مسائل کو عمدہ اور مفید ترین طریقے پر ذہن نشین کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں، الغرض ابتدائی تعلیم کی عمدگی وپختگی پر بے انتہا توجہ کی ضرورت ہے، اگر اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ کو ابتدائی درجہ کا کوئی سبق بھی دیا جائے تو اس میں بہت فوائد ومصالح ہیں۔

۶۔ مدرسین کو اسباق اتنے دئے جائیں تاکہ وہ مطالعہ وتدریس کی ذمہ داری پر صحیح طریقے سے عہدہ برآ ہوسکیں، جس کا اجمالاً اندازہ یہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی درجہ کے اساتذہ کے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے تعلیم کے لیے ہوں، متوسط درجات کے لیے چار گھنٹے اور آخری درجات کے لیے تین گھنٹے۔

۷ اساتذہ ایسے رکھے جائیں جو ہمہ تن مدرسہ سے وابستہ ہوں، ایسا نہ ہو کہ صرف دو تین گھنٹے کا رسمی تعلق ہو، یا کہیں اور ملازم ہوں، مدرسہ کے مصالح کے پیش نظر یہ صورت بہت اہم وقابل توجہ ہے۔

۸۔ اساتذہ کے انتخاب میں حسب ذیل معیار انتخاب ہوں:

(۱) اخلاص۔ (۲) تقویٰ وصلاح۔ (۳) اعلیٰ قابلیت۔ (۴) تدریس سے شوق۔ (۵) اس فن سے مناسبت جو استاذ کے حوالہ ہوں۔ (۶) مدرسہ کے نظام سے وابستگی۔ (۷) طلبہ کے تعلیمی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کا جذبہ۔

۹۔ اساتذہ کو فن کی اعلیٰ کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہیے تاکہ عمدہ معلومات طلبہ

کے لیے فراہم کرسکیں، الغرض مطالعہ وجد وجہد ضروری ہے، تن آسانی وراحت کوشی سے صرف سابقہ معلومات پر اکتفا نہ کرنا چاہیے، طلبہ کے اندر اعلیٰ علمی معیار پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ اساتذہ اس معیار کے ہوں۔

۱۰۔ جہاں تک مقدرت ہو طلبہ کو راحت وآسائش پہنچائی جائے اور اتنے طلبہ رکھے جائیں جن کی عمدہ خدمت ہو سکے، لیکن اس کے ساتھ ان کی علمی نگرانی، درس میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحان میں سختی، ان سب باتوں میں کوئی رعایت یا سستی اختیار نہ کی جائے، باقاعدہ طلبہ کے احوال کا معائنہ رکھا جائے، اور اس کے لیے انتظام ہو، اگر کوئی طالب علم سہ ماہی میں ناکام ہو تو اس کا کھانا بند کر دیا جائے، اور اگر ششماہی میں بھی ناکام ہو تو آخر سال تک مزید موقع دیا جائے، اگر سالانہ امتحان میں بھی نتیجہ ساقط رہا تو اس کو علیحدہ کر دیا جائے، ان امور میں سستی کرنا علم کو دفن کرنے کے مترادف ہے۔

۱۱۔ ابتدائی درجہ عربی کے طلبہ کا ماہانہ امتحان لازمی قرار دیا جائے، مقدار خواندگی متعین کی جائے، کوشش ہو کہ اس حد تک کتاب پہنچ جایا کرے۔

۱۲۔ ہر درجہ کے مناسب مطالعہ کے لیے کوئی نہ کوئی کتاب منتخب کر کے متعلم کو دی جائے، اس کتاب کا امتحان سالانہ لازمی قرار دیا جائے۔

۱۳۔ طلبہ کی اخلاقی نگرانی، عادات کی اصلاح اور دینی وضع کی پابندی بے حد ضروری ہے، باجماعت نماز کی پابندی، سیرت وصورت کی تربیت واصلاح کی طرف پوری توجہ ہونی چاہیے، ان امور میں سستی زہر قاتل ہے، غیر ذکی طالب علم اگر محنتی ہو وہ صالح ہو اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، لیکن ذکی، بدشوق وبداطوار ہرگز رعایت کے مستحق نہیں۔

۱۴۔ مدرسہ کے ضوابط ایسے ہوں کہ طلبہ خود بخود دینی وضع، صالحین کے شعار، پوشاک، خورد ونوش ومعاشرت وعبادات میں پابند ہو جائیں۔

۱۵۔ امتحانات میں مسابقت وتقدم کے لیے ترغیبی وظائف رکھے جائیں، سالانہ امتحان میں اعلیٰ کامیابی پر انعامات مقرر کیے جائیں، انعامات میں بجائے نقد رقوم کے عمدہ عمدہ کتابیں دی جائیں، اگر انعامی کتب میں ان کی علمی استعداد وطبعی خصوصیت کی رعایت رکھی جائے تو اور سونے پر سہاگہ کا کام دے گی، مثلاً حدیث میں اعلیٰ کامیابی پر حدیث کی کوئی عمدہ کتاب، تفسیر میں اعلیٰ کامیابی پر تفسیر کی اعلیٰ کتاب دی جائے۔

۱۶۔ ہر سال کے امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا ایسا ہو جس سے عام اہلیت وقابلیت وعلمی استعداد کا پتہ چلے، کسی خاص کتاب کے تعلق سے نہ ہو، آخری فراغت علوم کے امتحان میں یہ تشخیص بہت ضروری سمجھی جائے۔

۱۷۔ عربی، ادبی زبان کی قابلیت مقاصد تعلیم میں شامل کرنی چاہیے، ابتداء سے عربی انشاء نویسی کی مشق وتمرین کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے، ایک گھنٹہ مخصوص تحریر عربی کا ہو، جو ہر درجہ میں لازمی ہو، تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد چوتھی جماعت میں تدریس کی زبان عربی ہو، مدرس، عربی میں پڑھائے، طلبہ واساتذہ کے سوالات وجوابات کا سلسلہ بھی عربی میں ہونا چاہیے۔

۱۸۔ طلبہ میں تقریر وخطابت کی روح پیدا کرنے کے لیے ہفتہ وار جمعہ کی رات تقریر کرنے کے لیے مجلسیں قائم کی جائیں، ہر درجہ کے طلبہ کے لیے علاحدہ مجلس ہو اور ہر ایک مجلس کی نگرانی وتربیت ایک استاذ کی سپرد ہو، آخری تقریر استاذ کی ہو، ہر جلسہ کے لیے تقریر کا موضوع متعین، اور آخری استاذ کی تقریر میں تقاریر پر تنقید وتبصرہ ہو، ہر ہفتہ وار مجلس کا وقت کم از کم تین گھنٹہ ہو۔

۱۹۔ مدرسہ میں طلبہ کی تکثیر جماعت وتکثیر افراد کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، کمیت قابل التفات نہ ہو، بلکہ کیفیت پر توجہ مرکوز رکھی جائے، مستعدین کی قلیل وجماعت غیر مستعد نااہل کے جم غفیر سے زیادہ قابل قدر سمجھی جائے، دس صحیح طالب علموں پر

سالانہ بیس ہزار کا خرچ قابل برداشت ہونا چاہیے، لیکن سونا اہلوں پر بیس کا خرچ بھی قابل مواخذہ ہے۔

۲۰۔ ''نظام تعلیم'' میں عوام کو مدرسہ کی امداد پر مائل کرنے کے بجائے علم ودین کی خیر خواہی مقدم ہونی چاہیے، خالق کی رضا مخلوق کی رضا سے مقدم ہونی چاہیے، مخلوق کی رضامندی کی کوشش اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی سے غفلت کے نتائج دینی ودنیوی خسران ہے۔

۲۱۔ مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں امتیازی وظائف وانعامی کتب کی مد ضروری رکھا جائے۔

۲۲۔ قرآن کریم کا ترجمہ ابتداء سے شروع کرنا چاہیے، اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے، بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداءً زیر درس ہونا چاہیے، اور قابلیت بڑھانے کے لیے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے، جنہیں لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

۲۳۔ بہت غور وخوض کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اس موجودہ پُرفتن دور میں جب تک حاملینِ علم میں حسب ذیل صفات نہ ہو وہ کبھی بھی حفاظت دین کی خدمت کے اہل نہیں بن سکتے، وہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اخلاص۔

(۲) صلاح وتقویٰ۔

(۳) کامل علمی استعداد۔

(۴) صبر واستقلال۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اخلاص نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت کی خلعت عطا نہ ہوگی، جو برکت کا ذریعہ ہے، اگر تقویٰ نہ ہو تو عوام پر اس کا اثر نہ ہوگا، اور علمی استعداد نہ ہو تو مرض کا علاج نہ ہو سکے گا۔ اگر صبر واستقلال نہ ہوگا تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ (تحفۃ المدرسین: ۹۳ تا ۹۸)

نظامِ تعلیم وتربیت کے استحکام میں حضرات اساتذۂ کرام کا کردار نہایت اہم:

میر کارواں، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ

مدارسِ اسلامیہ کے بنیادی اغراض ومقاصد میں قرآن مجید، تفسیر، حدیث شریف، فقہ اسلامی، عقائد وکلام اور ان کے متعلقہ ضروری اور مفید فنونِ آلیہ کی تعلیم، اعمال واخلاقِ اسلامیہ کی تربیت، اسلام کی تبلیغ واشاعت، شعائر وعقائدِ اسلام کا تحفظ، اسلام اور علومِ اسلامیہ کی نشر واشاعت، ملت اسلامیہ کی دینی وملی قیادت اور ملک وقوم کی خدمت سے سرشار رجالِ کار کی تیاری شامل ہیں۔

ان مقاصد عالیہ کے حصول کے لیے مدارسِ اسلامیہ کے داخلی، تعلیمی وتربیتی نظام کو مستحکم کرنا، اکابر رحمہم اللہ کے منہاج کے مطابق مدارس کا نظم ونسق رکھنا بے حد ضروری ہے۔

تعلیم وتربیت کے استحکام کے سلسلے میں انتظامیہ، اساتذہ اور طلبہ تینوں کا کردار نہایت اہم ہے، انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ مدرسے میں تعلیم وتربیت کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا جائے، اساتذہ اور طلبہ کے لیے ایسی سہولیات مہیّا کی جائیں جن سے دونوں کو مفوضہ امور کی انجام دہی میں مدد ملے۔ تاہم معیار تعلیم وتربیت کی بہتری اور باکمال فضلاء کی تیاری میں حضرات اساتذہ کی خدمات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

تدریس کی خدمت نہایت ہی باوقار دینی وملّی خدمت ہے، حضرات علمائے کرام تعلیم وتربیت کی خدمات کی انجام دہی میں بھی معلّم انسانیت، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث وجانشیں ہوتے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذۂ نہایت اخلاص وللّٰہیت کے جذبے سے تدریس کی خدمات میں مصروف رہیں، جس علم وفن یا اس سے متعلق کتب کی تدریس متعلق ہو، اس کی لیاقت ومہارت پیدا کریں، اور پوری امانت ودیانت کے ساتھ مفوضہ اسباق پڑھائیں، اسباق پڑھانے سے پہلے اس کی مکمل تیاری کریں، سبق کے دوران کتاب فہمی پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں اور سبق کی تقریر

عام فہم اور سادہ انداز میں اس طرح کریں کہ ذہین، متوسط اور مبتدی تینوں طرح کے طلبہ آسانی سے سبق سمجھ سکیں، طلبہ کی دینی وعلمی نفع رسانی کا خیال رکھیں، وقت ضرورت طلبہ کی تنبیہ اور تادیب بھی کی جاسکتی ہے، لیکن شدت اختیار نہ کی جائے۔

دورانِ سبق وقتاً فوقتاً حضرات اکابر کے واقعات کے ذریعہ طلبہ کو اکابر کے اسوہ اور نمونے کو اختیار کرنے کی جانب بھی متوجہ کیا جائے۔

نئے فضلا کی تربیت وتدریب کا بھی نظم کیا جائے، اور ابتدائی جماعتوں کی تعلیم، تربیت یافتہ مدرسین کرام کے سپرد کی جائے۔

انتظامیہ، اساتذہ اور طلبہ کے لیے اس سلسلے میں یہ بات نہایت بہتر ہوگی کہ سب دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض کو پیش نظر رکھیں، اس سے مدرسے کا نظام بہتر ہوگا، تعلیم وتربیت اور تعاون علی البر کی فضا قائم ہوگی، جب اپنے حقوق ہی پر توجہ رہتی ہے اور فرائض پر نہیں، یا دوسروں کے فرائض ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، ان کو توجہ بہتر دی جاتی ہے، ایک دوسرے کے خلاف ذہن بنتا ہے اور مدرسے کی فضا مکدر ہوجاتی ہے۔

اساتذۂ کرام کو اپنے مفوضہ اسباق پابندی کے ساتھ پڑھانے اور سبق میں پورے سال اعتدال اور توازن قائم رکھنے پر بھی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے، جیسا کہ بیشتر اساتذۂ کرام ایسا کرتے بھی ہیں۔

جناب مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی، استاذ دارالعلوم دیوبند وناظم عمومی رابطہ مدارسِ اسلامیہ، زیرِ نظر رسالہ سے دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ، مقصد ومنہاج، نظام ونصاب اور طریقۂ تدریس کے تعلق سے حضرات اکابر اور علوم وفنون کی تعلیم وتدریس میں دسترس اور مہارت وبصیرت کے حامل حضرات اساتذۂ کرام کی تحریرات کی روشنی میں بڑا قیمتی مواد جمع کردیا ہے جو ان شاء اللہ ذمہ دارانِ مدارس، حضرات اساتذۂ کرام اور طلبۂ عزیز کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا، ضرورت ہے کہ رسالہ کے مشمولات سے استفادہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں طریقۂ تعلیم میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی یہ کاوش قبول فرمائے اور جزاء خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

نصابِ تعلیم سے زیادہ طریقۂ تعلیم میں اصلاح کی ضرورت:

اساتذۂ کرام کی تدریسی تربیت کا نظام قائم کیا جائے

محدث جلیل حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تمام اہل مدارس یہ بات جانتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے بنیادی مقاصد دو ہیں، تعلیم وتربیت، تربیت پر بحمد اللہ تعالیٰ اہل مدارس کی خوب نظر ہے، مدارسِ اسلامیہ سے بہترین افراد تیار ہوکر نکلتے ہیں، بلکہ بعض اہلِ مدارس تو چاہتے ہیں کہ طلبہ بزرگ، یعنی اہلِ نسبت بن کر نکلیں، شاید یہ بات غلو کے دائرے میں آتی ہے، اس لیے کہ بزرگ بننے کے لیے بہت وقت ہے، البتہ تعلیم کے لیے زمانہ محدود ہے، مگر اس کی طرف جیسی توجہ چاہیے اہلِ مدارس کی نہیں ہے، سب جانتے ہیں کہ خام مال نکل رہا ہے، پختہ کار فضلاء کا فقدان ہے، اور اس کے تین اسباب ہیں:

(۱) علوم شرعیہ تین ہیں، قرآن وحدیث اور فقہ۔ اور تینوں کے اصول، دیگر علوم جو ہم پڑھاتے ہیں وہ علوم آلیہ ہیں، اور صورت حال یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ایسے زمانہ میں پڑھا جاتا ہے کہ نہ طلبہ کی عربی پختہ ہوتی ہے نہ ان کا شعور بالغ ہوتا ہے، پھر تفسیر میں صرف جلالین پڑھائی جاتی ہے، اس کے دس پارے تو تحقیق کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں، باقی بیس پارے سرسری پڑھادئے جاتے ہیں، چناں چہ مدارس کے بعض فضلاء قرآن کریم میں کہیں سے بھی دو صفحے کا ترجمہ نہیں کرسکتے، تفسیر تو درکنار، اور حدیث شریف چار سال پڑھائی جاتی ہے، مشکاۃ الآثار سے شروع ہوکر دورہ تک، مگر کسی فاضل کو پانچ سو حدیثیں زبانی یاد نہیں ہوتی، اور شاید بہت سے فضلا احادیث کو سمجھتے بھی نہیں، اور

اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں حدیث کی کتابوں میں زور صرف کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ پر ہوتا ہے، باقی ابواب یا تو پڑھائے ہی نہیں جاتے یا سرسری پڑھا دیے جاتے ہیں، اور فقہ کا حال یہ ہے کہ قدوری کے بعد سے کوئی فقہ کی کتاب پوری نہیں پڑھائی جاتی، حتی کہ دارالافتاء میں بھی اس طرح تمام ابواب پڑھے بغیر مفتی تیار ہو رہے ہیں، اس لیے تعلیم کے اس مرحلہ کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

(۲) درجہ بندی کا ایک بہت بڑا نقصان یہ سامنے آ رہا ہے کہ طلبہ کا داخلہ صحیح درجے میں نہیں ہوتا ہے، طالب علم ایک دو کتابوں میں فیل ہوتا ہے پھر بھی آگے بڑھا دیا جاتا ہے، اور جب طالب علم کی استعداد درجے کے مطابق نہیں ہوگی تو استاذ اس کو کس طرح پڑھائے گا اور کیسے باکمال بنا دے گا، اور "ضِغْثٌ عَلىٰ اِبّالَة" (مصیبت بالائے مصیبت) کہ امتحان کے پرچے ہلکے کر دیے گئے؛ اس لیے کہ اساتذہ جانتے ہیں کہ طلبہ کمزور ہیں، بلکہ کاپیوں کے جانچ میں بھی نرمی برتی جاتی ہے، یہ بھی ایک بڑا سبب تعلیم کی کمزوری کا ہے۔ پس جب تک درجات میں طالب علم کی استعداد درجے کے مطابق نہیں ہوگی تو تنزل ہی تنزل ہوتا رہے گا۔

(۳) یہ بات ہر سمجھ دار جانتا ہے کہ استاذ کی مہارت طالب علم کی پختگی کا سبب بنتی ہے، جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ بعض اساتذہ کو جو کتاب سپرد کی جاتی ہے، اس فن کا وہ ماہر نہیں ہوتا، اس لیے وہ شروع حصے میں لمبی تقریریں کر کے وقت ضائع کرتا ہے، پھر آگے یا تو پڑھاتا ہی نہیں یا سرسری پڑھا دیتا ہے، پہلے جب تین امتحان ہوتے تھے تو مشہور تھا کہ سہ ماہی تک سبق رواں ہوتا ہے، استاذ بھی سمجھتا ہے اور طالب علم بھی، پھر ششماہی تک سبق دَواں ہوتا ہے، دوڑتا ہے، استاذ تو سمجھتا ہے، مگر طالب علم نہیں سمجھتا، پھر ششماہی کے بعد سبق پرّاں ہوتا ہے، اڑتا ہے، اور استاذ بھی نہیں سمجھتا اور طالب علم بھی نہیں سمجھتا، اب تین کے بجائے دو امتحان ہو گئے ہیں، ششماہی تک سبق خراماں ہوتا ہے، نازاں چلتا ہے، لمبی لمبی تقریریں ہوتی ہیں، جس کا نفع کچھ نہیں ہوتا، پھر ششماہی کے بعد پرّاں ہو جاتا ہے، امتحان ششماہی تک

کتاب کی مقدار بہت کم ہوتی ہے، پھر دو ماہ میں ساری کتاب پوری کرا دی جاتی ہے، رجب لگا اور سبق بند، ایسی صورت میں کیا امید کی جاسکتی ہے کہ اچھا پروڈکشن نکلے گا؟

یہ وہ تین نقاط ہیں جن پر رابطہ مدارس کے اجلاس میں غور ہونا چاہیے، تعلیم کی بہتری کے لیے کوئی خاکہ بننا چاہیے اور اس پر عمل بھی ہونا چاہیے۔

یہی تین چیزیں ہیں جن میں تبدیلی اور اصلاح کرنے سے تعلیم بہتر ہوسکتی ہے، آج رجالِ کار کا فقدان ہے، اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم اپنے اچھے طالب علموں کی بھی حفاظت نہیں کرتے، ان کے سامنے ترقی کی کوئی راہ نہیں ہوتی، تو وہ دائیں بائیں مشغول ہو جاتے ہیں، اور ضائع ہو جاتے ہیں، پس اہل مدارس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کار آمد فضلا کو کام میں لگائیں، اور ان کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

تعلیم کے تعلق سے ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ پڑھنا درحقیقت عربی چہارم تک ہے، اوپر ہوئے درخت کا پھل کھانا ہے، اگر عربی چہارم تک طالب علم کی استعداد پختہ ہو جائے تو وہ آگے دیوار میں سے علم نکال سکتا ہے، اور اگر عربی چہارم تک طالب علم کمزور رہ گیا تو آگے جھینکنا ہی جھینکنا ہے، میں دیکھتا ہوں اوپر جا کر شوق پیدا ہو جاتا ہے، مگر نہ طالب علم کو سبق سمجھ میں آتا ہے، نہ کتاب حل ہوتی ہے، نہ حاشیے سے استفادہ کر سکتا ہے، پھر وہ مطالعہ کرے تو کیوں کر کرے اور تکرار کرے تو ہاتھا پائی کے علاوہ کیا کرے۔

اور صورت حال یہ ہے کہ تمام مدارس میں عربی چہارم تک تعلیم کی پختگی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی ہے، ایسے اساتذہ رکھے جاتے ہیں جو باکمال نہیں ہوتے، پڑھانے کا ڈھنگ بھی سیکھے ہوئے نہیں ہوتے، اور مدارس میں ان کو تربیت دینے والا کوئی بڑا استاذ بھی نہیں ہوتا، اور ڈرائیور تو اب مکینک رہے نہیں کہ خرابی دور کر سکیں، ایسی صورت میں کیا امید کی جاسکتی ہے کہ بہترین پھل حاصل ہو سکے گا۔

پہلے اسکولوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ ہیڈ ماسٹر پہلا درجہ پڑھاتا تھا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ چھوٹے بچوں کو کیسے ٹرینڈ کیا جاسکتا ہے، اب بڑے اساتذہ اوپر کے درجات پڑھاتے

ہیں اور نیچے کے درجات نوعمروں کو دے دیے جاتے ہیں، حالاں کہ نیچے کے درجات کے لیے مہارتِ فن کی زیادہ ضرورت ہے، ماہرِ فن استاذ زمین پر لکھ کر طالب علم کو باکمال بنا سکتا ہے۔

جب بھی نصاب پر نظرِ ثانی کی بات آئی تھی تو حضرت الاستاذ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ، صدر المدرسین دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ تعلیم کی خوبی تین باتوں کی مرہونِ منت ہے، اساتذہ کی مہارتِ فن، طالب علم کی محنت، اور نصاب کی نفاست، اب اساتذہ میں مہارت تو رہی نہیں، طلبہ تو بھڑوں کا چھتہ ہیں، ان میں ہاتھ کون ڈالے، بس بے زبان نصاب رہ جاتا ہے تو کان پکڑ کر کبھی اِدھر کر دیتے ہیں، کبھی اُدھر کر دیتے ہیں، مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلتا، اس لیے نصابِ تعلیم سے زیادہ طریقۂ تعلیم کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اساتذہ کی تربیت کی بھی ضرورت ہے، اس کے بغیر نظامِ تعلیم وتربیت کی بہتری واستحکام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

سبق پڑھاتے وقت شاگردوں کی سمجھ کے مطابق تقریر کرنا:

استاذ کو چاہیے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالب علم کی فہم اور استعداد سے بالاتر ہو، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو یہ حکم ہے لوگوں کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق ان سے گفتگو کریں اور فرمایا کہ جب کوئی کسی قوم کے سامنے ایسی بات کرتا ہے کہ جس کو وہ نہیں سمجھ سکتے تو وہ بات فتنے کا سبب بن جاتی ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کے سمجھنے والے ہوں، یعنی میں ان کو اس لیے ظاہر نہیں کرتا کہ ان علوم کا کوئی متحمل نہیں ہے۔

آج کل محض اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لیے ابتدائی کتابوں میں ایسی تقریر کرتے

ہیں کہ اس فن کے منتہی طلبہ بھی اس کو مشکل ہی سے سمجھ سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ضروری باتیں زیرِ سبق کتاب کی ہوتی ہیں وہ بھی طالب علم نہ سمجھ پاتا ہے، اور نہ یاد کر سکتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

ينبغي للعالم أن يتكلّم بالعلمِ عند من يطيقه۔

عالم کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی طاقت سے بالاتر ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ومنه أَن لا يُبيّن للمبتدي من العلمِ ما هو حظُّ المنتَهِيْ بل لصغائرِ العلمِ قبل كبائرِه.

اور اسی تیسیر میں سے یہ بھی ہے کہ وہ علوم جو منتہی کے لیے مناسب ہیں وہ مبتدی سے نہ بیان کرے، بلکہ بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کر کے تربیت کرے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ''میری زندگی کے تجربات'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ میری عمر کے پانچ سال اس وجہ سے ضائع ہو گئے کہ کسی نے مجھے اس طریقہ سے پڑھانے کی کوشش نہ کی، جو طریقہ میری اس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب ہو سکتا تھا اور جس کا میں متحمل ہو سکتا تھا۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: مجھے اپنی ابتدائی تعلیم کے کئی ساتھی یاد ہیں جو صرف ڈیوٹی پوری کرنے والے اساتذہ کی غفلت اور ان کے غلط طریقۂ تعلیم کے چکر میں چار پانچ سال رہ کر بالآخر بیٹھ گئے، یعنی عربی تعلیم سے ہٹ گئے اور اتنا طویل عرصہ عربی مدرسہ میں پڑھنے کے باوجود بالکل خالی کے خالی رہے، اسی طرح سے معلوم نہیں سیکڑوں ہزاروں ہوں گے جو اس قسم کے مدرسوں میں اتنا وقت گذار کے اسی منزل پر بیٹھے ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ اگر صحیح طریقہ سے اور سوچ سمجھ ان کو پڑھایا جاتا تو اتنے ہی دنوں میں ان کی آدھی سے زیادہ تعلیم ہو جاتی اور پھر وہ اس کو پورا ہی کر کے مدرسہ چھوڑتے۔ (آداب المعلمین: ۴۱ تا ۴۳)

طریقۂ تعلیم درجات عربیہ:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ فرماتے ہیں:

میرا ناقص تجربہ شاہد ہے کہ نصابِ تعلیم میں زیادہ تغیر وتبدل کرنا اس درجہ مفید نہیں جس درجہ ”طریقۂ تعلیم“ تبدیل کرنا مفید ہے، اور اساتذہ کو خود عملی نمونہ بننا، اور طلبہ کے اخلاق واعمال کی تربیت واصلاح کی جانب توجہ فرمانی تو مفید تر ہے، لہٰذا اساتذہ کی خدمت میں چند معروضات اور بعض امور متعلقہ طریقِ تعلیم عرض کیے جاتے ہیں، اگر ان پر عملاً التزام کیا گیا تو ان شاء اللہ قوی امید ہے کہ طلبہ کو علوم وفنون اور کتابوں سے بہت جلد مناسبت اور استعداد پیدا ہوجائے گی، نیز ان کی عملی اور اخلاقی حالت بھی سدھر جائے گی، یہی تعلیم کا اصلی مقصد ہے۔

(۱) دینی تعلیم مع اپنے مبادی کے عبادت وطاعت ہے، اور اس کا ثمرہ آخرت میں اجر عظیم ہے، لہٰذا تمام اساتذہ عبادت وطاعت اور اجر وثواب ہی کی نیت سے دینی تعلیم کو اپنا فریضہ سمجھیں اور معاشی ضروریات تنخواہ وغیرہ کو اس کے حصول کا وسیلہ وذریعہ خیال نہ فرمائیں۔

(۲) اساتذہ تعلیم وتدریس کے علاوہ طلبہ کی دین داری اور اعمال واخلاق کی نگرانی کو بھی اپنا فرض سمجھیں اور حسب ضرورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا کریں، اور بوقت ضرورت زجر وتوبیخ سے بھی کام لیا کریں، خصوصاً زیّ صلحاء (نیک لوگوں کا سا لباس اور ہیئت) نماز باجماعت، ابتداء بالسلام اور جواب سلام کی خود بھی پابندی کریں، اور طلبہ سے بھی پابندی کرائیں، داڑھی منڈانا یا کتروانا، انگریزی وضع کے بال رکھنا اور لباس پہننا، سگریٹ نوشی وغیرہ منکرات مکروہات کو قطعاً روا نہ رکھیں، جو طلبہ اس سے باز نہ آئیں ان کو فوراً مدرسہ سے خارج کردیں، اسی طرح فاسد العقیدہ طالب علم کا وجود بھی مدرسہ کے لیے سخت مضر ہے، اگر افہام وتفہیم کے باوجود باز نہ آئے تو اس کو بھی مدرسہ سے نکال دیں۔

(۳) اساتذہ اپنے مطالعہ کے وقت اپنے ذہن میں ہر ہر سبق کی ایسی ترتیب قائم کرلیا

کریں جسے طلبہ کے ذہن بآسانی قبول وضبط کرسکیں، اور پڑھاتے وقت وضاحت اور سہولت کا خاص طور پر لحاظ رکھا کریں، الزامی جواب کے بعد تحقیقی جواب بھی ضرور دیا کریں۔

(۴) اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے تو اس کو مان لیں، اگرچہ اپنی تحقیق یا تقریر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) کم محنت اور بد محنت طلبہ سے محنت کرانے اور یاد کرانے کا بھی ایسا احسن طریقہ اختیار کریں کہ طالب علم محنت کا عادی اور تحصیل علم وہنر کا شائق بن جائے۔

(۶) ہر کتاب کے شروع میں اس فن کے مبادئ ثلاثہ (حد، موضوع، غایت) اور ترجمۂ مصنف اور کتاب کی خصوصیات اور طرز تعلیم بھی طلبہ کے ذہن نشین کرادیا کریں، تعلیمی حیثیت سے کتب درسیہ کے تین طبقے قرار دئے گئے ہیں، اولیٰ، وسطیٰ، علیا۔

اولیٰ: میزان الصرف سے کافیہ تک۔

وسطیٰ: شرح جامی سے ہدایہ اولین تک۔

علیا: تفسیر جلالین سے دورہ حدیث شریف تک۔

ہر طبقہ سے متعلق طریقۂ تعلیم درج ذیل ہے:

طریقۂ تعلیم طبقہ اولیٰ:

(۱) اس طبقہ میں حتی الوسع ترجمہ لفظی اور مطلب خیز تقریر مختصر اور ذہن نشین، اندازِ بیان سادہ اور سہل، تفہیمِ مضمون آسان الفاظ میں ہونی چاہیے، نفس مسئلہ طالب علم کے ذہن نشین کرانے کے بعد اس کی زبان سے اعادہ بھی کرانا چاہیے، سبق سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ کو اپنی نظروں کے سامنے بٹھلا کر اس سبق کو یاد کرایا جائے، دوسرے دن پچھلا سن کر اگلا سبق پڑھایا جائے، اور روزانہ حسب حال زبانی اور تحریری سوالات کرکے جوابات دینے کی بکثرت مشق کرائی جائے تاکہ ٹھوس استعداد پیدا ہوسکے۔

(۲) ”میزان الصرف“ کو خوب اچھی طرح سمجھا کر تھوڑا تھوڑا با ترجمہ پڑھایا جائے،

اوراس کے ساتھ ''علم الصرف'' حصہ اول، مصنفہ مولانا مشتاق احمد چرتھاولیؒ سبقاً سبقاً یاد کرایا جائے، اس طرح کہ ''میزان الصرف'' کی ترتیب کے موافق صیغوں اور گردانوں کے نام خوب یاد ہوجائیں، اسم ظرف، اسم تفضیل، مذکر ومونث میں تصغیر کے صیغے بڑھا دیئے جائیں، اور بحث اسم آلہ میں اسم آلہ صغریٰ، وسطیٰ، کبریٰ کے ۱۲/ صیغے نکالنے اور بتلانے کی خوب مشق کرائی جائے، اس مشق کے لیے تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) سے مدد لی جائے۔

(۳) ''منشعب'' میں سے صرف ۲۴/ باب ۶/ ثلاثی مجرد، ۱۴/ مزید، ۴/ رباعی مجرد ومزید فیہ کی صرف صغیر جدید بامداد ''تیسیر الابواب جدید'' مع نام وعلامتِ باب خوب یاد کرائی جائے، یا بجائے ''منشعب'' کے ''تیسیر الابواب'' ہی کو خوب یاد کرا کے مشق کرادی جائے، یہ بھی کافی ہے، بعد ازاں ''میزان الصرف'' کی ترتیب پر صرف کبیر مع ترجمہ یاد کرائی جائے اور ''عربی صفوۃ المصادر'' کی مدد سے صحیح ابواب کی صرف صغیر وکبیر گردانوں کی خوب مشق کرائی جائے، اسی لیے سہ ماہی اول میں صرف ایک کتاب ''میزان ومنشعب'' نصاب میں رکھی گئی ہے۔

تنبیہ: صرف کے تمام اسباق ایک ہی استاذ کے پاس ہونے چاہئیں، جو کہنہ مشق اور آزمودہ کار ہو، نو آموز مدرس کے یہ کام ہرگز نہ سپرد کرنا چاہیے۔

(۵) ''نحو میر'' میں مسائل زبانی یاد کرانے کے ساتھ ساتھ ہر ہر جملہ کی ترکیب بھی کرائی جائے، نیز کتاب کی مثالوں پر اکتفاء ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ قرآن وحدیث نیز دیگر کتب ادب سے بکثرت مثالیں دی جائیں اور ترکیبیں کرائی جائیں؛ کہ تکثیر امثلہ اس باب میں بے حد مفید ہے، انواع اعراب کو خصوصاً خوب ہی یاد کرایا جائے اور ''عوامل النحو منظوم فارسی'' حفظ کرادی جائے۔

(۶) ''شرح مأۃ عامل'' میں ایک دن صرف عبارت مع ترجمہ ومطلب پڑھائی جائے، دوسرے دن ترکیب کرائی جائے، اس طرح کہ نوع اول تک اولاً چھوٹی ترکیب ہو، یا ثانیاً اسی کی بڑی ترکیب ہو، نوع اول سے نوع ثانی تک صرف بڑی ترکیب ہو، اور نوع ثانی سے آخر تک صرف چھوٹی ترکیب، ہاں اسی اثنا میں گاہے بگاہے بڑی

ترکیب کا بھی امتحان لیتے رہیں۔

(۷) ''روضۃ الادب'' میں یا کسی بھی آسان ادبی کتاب میں ترجمے اور صیغوں کی مشق کے ساتھ ساتھ ترکیب نحوی بھی کراتے رہیں، اور عربی تحریر و بول چال کی بھی مشق کرائی جائے۔

(۸) ''ہدایۃ النحو'' اور ''مرقات'' میں اصطلاحی الفاظ کی تعریفات اصل عربی میں یاد کرائی جائیں، اور مسائل اردو زبان میں خوب حفظ کرائے جائیں، اس طرح کہ شب وروز کی گفتگو میں مسائل منطق ان کے لیے اجنبی چیز نہ رہیں۔

(۹) ''نور الایضاح'' اور ''قدوری'' میں مسائل جزئیہ آسان الفاظ میں طلبہ کے ذہن نشیں کرا کے سوال وجواب کے طرز پر ان سے اعادہ کرایا جائے اور سبقاً سبقاً سنا جائے۔

(۱۰) ''تہذیب'' کو اس طرح وضاحت اور سادگی سے پڑھایا جائے کہ بغیر کسی پیچیدگی اور دشواری کے ''شرح تہذیب'' کے تمام مباحث آجائیں اور اس کے پڑھنے کی ضرورت نہ رہے۔

طریق تعلیم طبقہ وسطیٰ:

(۱) عبارت بقدر ضرورت ایک ایک مسئلہ کی پڑھوائی جائے، لفظی اور اعرابی غلطیوں پر متنبہ کیا جائے، لفظ یا اعراب غلط پڑھنے کی وجہ سے مطلب اور معنی میں جو نقص یا اہمال پیدا ہوتا ہے اس کو خوب واضح کیا جائے، تاکہ طلبہ کو عبارت غلط پڑھنے کی قباحت وشناعت کا احساس ہو، حتی الامکان طالب علم سے خود لفظ یا اعراب صحیح پڑھوایا جائے، جب طالب علم تصحیح سے عاجز ہوجائے تو استاذ غلطی اور اس کی وجہ سمجھائے اور عبارت صحیح کرائے، جو طالب علم عبارت پڑھ رہا ہے دوسرے طلبہ سے کہا جائے کہ جہاں یہ لفظ یا عبارت غلط پڑھے تم ٹوکو اور عبارت کی تصحیح کرو، روزانہ ایک ہی طالب علم سے عبارت نہ پڑھوائی جائے اور نہ باری مقرر کی جائے، بلکہ خود استاذ جس طالب علم کو مناسب سمجھے عبارت پڑھنے کے لیے کہے، کمزور طلبہ سے زیادہ عبارت پڑھوائی جائے، اسی طرح جو طلبہ عبارت پڑھنے سے

بچتے ہیں ان سے ضرور عبارت پڑھوائی جائے، یہ اور اس کے علاوہ جو بھی مناسب تدبیریں طلبہ کو مطالعہ دیکھنے اور عبارت صحیح پڑھنے کا عادی بنانے کی ہوسکتی ہیں اختیار کی جائیں، عبارت میں صرف ونحو سے متعلق جو لفظی اشکالات ہوں ان کو سمجھا کر ان کا حل پوری وضاحت کیساتھ بتلایا جائے، دفع دخل مقدر کی تقریر کر کر کے کتاب کے جواب کو واضح الفاظ میں منطبق کیا جائے، اس طرح مسئلہ کی تقریر کر کے عبارت یا ترجمہ اور مسئلہ کا انطباق خود طالب علم سے کرایا جائے، اور ایسے طرز پر مطالعہ دیکھنے کی تاکید کی جائے کہ طلبہ خود مطالعہ میں ان امور کے حل کرنے کے عادی ہوجائیں، اگرچہ اس طریق پر پڑھانے سے سبق کی مقدار کچھ کم ہوگی، مگر یہ چند روز کی بات ہے، اس کے بعد خود طلبہ عادی ہوجائیں گے اور علمی استعداد پختہ ہوجائے گی اور تلافی مافات ہوسکے گی، آغاز سال میں کم از کم یہ طریق ضرور اختیار کیا جائے، کبھی کبھی گزشتہ سبق کے متعلق بھی اچانک سوال کرلیا کریں، تاکہ طلبہ پڑھے ہوئے سبق کے اعادہ اور تکرار پر مجبور ہوں۔

اس طبقہ میں طلبہ کو مطالعہ کی طرح تکرار کا عادی بنانا بھی نہایت ضروری ہے، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ استاذ طلبہ کو بتلائے کہ ہمارے بزرگوں نے سبق کے اعادہ کے لیے تکرار کا طریقہ اس لیے جاری کیا ہے کہ طالب علم میں علمی استعداد کے ساتھ ساتھ تفہیم وتدریس کی صلاحیت بھی آہستہ آہستہ نشو ونما پاتی رہے، بالفاظ دیگر یہ تکرار درحقیقت مدرسی کی تربیت ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو طلبہ طالب علمی کے زمانے میں تکرار کرانے کے عادی ہوتے ہیں وہ فارغ ہونے کے بعد نہایت آسانی سے نہ صرف مدرس بلکہ کامیاب مدرس بن کر نکلتے ہیں، تکرار کی اس افادیت کو سن کر ان شاء اللہ تعالیٰ طلبہ میں تکرار کرنے کرانے کا شوق ضرور پیدا ہوگا، ہر استاذ اپنے سبق کے طلبہ کو دو دو یا تین تین جماعتوں پر تقسیم کردے، اور باری باری ہر طالب علم کو تکرار کرانے کی تاکید کرے تاکہ تکرار کا فائدہ تمام طلبہ کو یکساں طور پر پہنچے، نیز استاذ خود تکرار کے اوقات مقرر کرے، اور گاہ بگاہ ان اوقات میں خود جاکر نگرانی بھی کرے، تاکہ طلبہ تکرار کے بجائے گپ بازی میں وقت ضائع نہ کریں۔

(۲) ''کنز الدقائق''، ''اصول الشاشی'' وغیرہ فنی کتابوں میں فن کی اصطلاحات اور الفاظِ اصطلاحیہ کی تعریفات تو اصل عربی الفاظ میں یاد کرائی جائیں، اور مسائل کو اس طرح ذہن نشین اور یاد کرایا جائے کہ اصل فن سے مناسبت پیدا ہوجائے۔

(۳) ''ترجمہ قرآن عظیم'' میں علوم ومعارفِ قرآن کے بجائے ''عربیت'' پر زیادہ توجہ کی جائے، ''صرفی ونحوی'' امور کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلے مفردات کے لغوی اور مرادی معنی اور محل اعراب کو بتلایا جائے، پھر ''سادہ اور مطلب خیز لفظی ترجمہ'' کرایا جائے، شانِ نزول اور بیان واقعات وقصص میں قدر ضروری پر اکتفا کیا جائے، ربطِ آیات پر ضرور توجہ کرنی چاہیے اور ''سادہ مطلب خیز ترجمہ'' تو خوب ہی رٹایا جائے۔

(۴) ''ہدایہ اولین'' کامل تحقیق وتدقیق وعرق ریزی کے ساتھ اس طرح پڑھایا جائے کہ اول ہر مسئلہ اور اس کی دلیل عقلی کا ماخذ جو ''اصول کلیہ'' میں سے ہو، طالب علم کے اندر اصل کلی معلوم کرنے اور اس پر مسئلہ کو متفرع کرنے کا ملکہ پیدا ہوجائے۔

(۵) علوم وفنونِ عقلیہ میں ہر علم وفن کی اصطلاحات کو بعبارتہا یاد کرایا جائے اور اس کے مادی اصول موضوعہ سے آگاہ کر کے مسائل کو اس طرح ذہن نشین کرایا جائے کہ اس علم وفن سے مناسبت اور استخراجِ مسائل کا ملکہ پیدا ہوجائے۔

طریقۂ تعلیم طبقۂ علیا:

(۱) اس طبقہ کی بیشتر کتابیں علوم وفنون کی آخری اور منتہی کتابیں ہیں، بسا اوقات طلبہ کو اس کے بعد کی کتابیں پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملتا، اس لیے اساتذہ کو پوری محنت وکاوش کے ساتھ نہ صرف کتاب کا، بلکہ اس کے مستند حواشی وشروح نیز اس علم وفن دیگر محققانہ معاون کتابوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے، اور پڑھاتے وقت صرف کتاب کے حل پر اکتفا نہ کرنا چاہیے، بلکہ اپنے طویل وعریض مطالعہ میں سے فن کی ضروری اور اہم تحقیقات ومسائل پر بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں روشنی ڈالنی چاہیے؛ تاکہ ایک

طرف کتاب بھی پوری ہوجائے، اور دوسری طرف طالب علم کے کان فن کی اہم اور ضروری تحقیقات سے بھی آشنا ہوجائیں، اور مستند کتابوں کے نام بھی اسے معلوم ہوجائیں، تاکہ فارغ ہونے کے بعد جب وہ خود اس فن یا اس کے مسائل کو پڑھانے بیٹھیں یا کوئی مقالہ یا مضمون لکھنے کا قصد کریں، تو ان ماخذ کی مراجعت کرسکیں، نیز عہد حاضر کے دینی مسائل پر بھی ضرور تبصرہ فرمائیں، تاکہ طلبہ کو فارغ ہونے کے بعد جب ان مسائل سے سابقہ پڑے تو وہ خالی الذہن اور بے خبر نہ ہوں اور اساتذہ کے بتلائے ہوئے ماخذ کی مراجعت کرکے ان کی جواب دہی کرسکیں، مثلاً:

(۲) ''تفسیر جلالین'' پڑھانے کے وقت کتاب کے حل کرنے کے لیے تو ''حاشیہ جمل'' یا کم از کم ''صاوی'' کا اور ربط آیات و دیگر علوم و معارفِ قرآن کے لیے تفسیر ''بیان القرآن'' اور ''سبق الغایات'' کا اور اصولِ تفسیر سے آگاہ کرنے کے لیے ''الفوز الکبیر'' اور ''تفسیر الاتقان'' کا اور تفسیر قرآن کے سلسلہ میں احادیث و مسائل فقہیہ کی تحقیق کے لیے ''تفسیر مظہری'' کا حسب ضرورت مطالعہ کرتے رہا کریں۔

(۳) علم اصولِ حدیث، حدیث کا اہم ترین موقوف علیہ ہے، اور نصاب میں صرف ''مقدمہ مشکوٰۃ'' اور ''شرح نخبہ'' یا ''خیر الاصول'' کو رکھا گیا ہے، حضرات اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ان کتابوں میں سے مصطلحاتِ حدیث کو خوب حفظ کرائیں، مگر خود ''مقدمہ ابن صلاح'' یا ''تدریب الراوی'' کا مطالعہ کریں، اور حسب ضرورت و موقع فن کے اہم مسائل پر ان کتابوں کی مدد سے سیر حاصل تبصرہ کریں۔

(۴) ''مشکوٰۃ شریف'' پڑھاتے وقت سادہ اور مطلب خیز حدیث کا ترجمہ کرانے کے بعد ہر حدیث سے مستنبط فقہی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کے اقوال و مذاہب مع ادلہ تو نہایت اختصار کے ساتھ اور حنفی مذہب اور اس کے دلائل ذرا تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کریں۔ اور اگر حدیث بظاہر مذہب حنفی کے خلاف ہو تو اس کا آخری اور تحقیقی جواب بصورتِ ترجیح یا تطبیق یا توجیہ و تاویل ضرور بیان کریں، اس سلسلہ میں ابن رشد کی ''بدایۃ

المجتہد'' سے مدد لیں اور ''لمعات شرح مشکوٰۃ'' یا ''التعلیق الصبیح'' کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

(۵) دورہ حدیث شریف کی کتب عشرہ بالخصوص ''بخاری شریف'' پڑھانے کے وقت ''فتح الباری''، ''عینی'' ورنہ حواشی حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے ''الابواب والتراجم'' کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

اور ''جامع ترمذی'' پڑھانے کے وقت ''معارف السنن'' یا ''الکوکب الدری'' کا اور ''سنن ابی داؤد'' پڑھانے کے وقت ''بذل المجہود'' کا۔

علیٰ ہذا القیاس باقی کتب عشرہ پڑھاتے وقت ان کے حواشی و شروح کا ضرور مطالعہ کریں، مگر ان طویل و عریض شروح میں سے اہم ترین مباحث نہایت اختصار کے ساتھ بیان کریں؛ تاکہ کتاب بھی ختم ہو سکے اور جس کتاب حدیث کو بھی شروع کرائیں اور بطور مقدمہ تاریخ تدوین حدیث، حجیت حدیث، اصحاب صحاح و سنن کے تراجم اور ان کے شرائط و مراتب اور خصوصیاتِ کتب عشرہ پر اجمالاً اور زیر درس کتاب اور مصنف سے متعلق امور مذکورہ پر تفصیلاً محققانہ تبصرہ کریں، اس کے بعد کتاب شروع کرائیں، اور نہایت متانت و وقار اور احترام کے ساتھ ایک ایک باب و حدیث کے لفظی و معنوی حل طلب امور اور اس سے مستنبط احکام و مسائل پر سیر حاصل تقریر کریں، اور ان مختلف فیہ مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اقوال و مذاہب اور ان کے مستدلات نہایت عزت و احترام کے ساتھ بیان کرکے مذہب حنفی اور اس کے دلائل پر انتہائی محققانہ مگر منصفانہ بحث کریں اور وجوہ ترجیح بیان کریں، مناظرانہ اور مجادلانہ طرز ہر گز نہ اختیار کریں، اور اختلاف کو حتی الامکان ختم یا کم کرنے کی کوشش کریں، نہ کہ حدیث کو مذہب کے مطابق کرنے کی، کہ اصل حدیث ہے، اور مذہب اس سے ماخوذ و مستنبط، حدیث میں تاویل اور صرف عن الظاہر کرنے کے بجائے رجال و سند پر محققانہ کلام کرنا زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس لحاظ سے امام طحاوی رحمہ اللہ کی ''شرح معانی الآثار'' حنفیہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے، اختلافی مسائل پر کلام کرتے وقت اس کو اور ''موطا امام محمد'' کو پیش نظر رکھنا حنفیہ کے لیے از بس ضروری ہے۔

قدیم ''فرقہ زائغہ'' اور زمانہ حال کے ''فرق باطلہ'' کی محققانہ تردید کریں، اور ''اعلاء کلمۃ الحق'' کا فرض ادا کریں، اسی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو ''تصحیح عقائدِ دینیات'' اور ''تزکیہ اخلاق واعمال'' کی بھی ترغیب دلائیں؛ تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا فرض بھی ادا ہو، اس باب میں استاذ کو ورع وتقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی کا عملی نمونہ بننا از بس ضروری ہے، اور محدث کے شایانِ شان بھی یہی ہے، وَفَّقَنا اللّٰہ تَعَالیٰ أجمعین۔

نیز اپنی بحث وتحقیق کو متعارف اخلاقی مسائل ومباحث تک محدود نہ رکھیں، بلکہ علوم ومعارف حدیث علی صاحبہا التحیۃ والتسلیم کو ایسی تحقیق ووضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں کہ طلبہ کے ذہنوں میں حدیث کی شایانِ شان اہمیت اور دین میں اُس کا حقیقی مرتبہ ومقام راسخ ہوجائے؛ تاکہ وہ عہد حاضر کے ''عظیم ترلادینی فتنہ انکارِ حدیث'' کی جواب دہی اور بیخ کنی پر پورے طور قادر ہوجائیں۔

عام طور پر حدیث پڑھانے والے اساتذہ کا بیشتر حصہ صرف ارکانِ اربعہ کے مسائل اختلافیہ کی بحث وتحقیق پر صرف کردیتے ہیں اور آخر میں صرف کتاب کی تلاوت رہ جاتی ہے، اور اس کے باوجود بھی بیشتر کتابیں ختم نہیں ہوتیں، یہ طریقہ سخت مضر اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے کے باب میں تقصیر کے مترادف ہے، اعاذنا اللّٰہ منہ، اس لیے استاذ کو روزِ اول سے کتاب کے ختم کرنے کو پیش نظر رکھنا چاہیے، خود بہت کچھ دیکھنا اور مطالعہ کرنا چاہیے، اور طلبہ کے سامنے کم سے کم مگر بے حد ضروری اور اہم باتیں علی وجہ البصیرۃ بیان کرنی چاہئیں۔

(۶) حدیث کی طرح اس طبقہ کے بقیہ علوم وفنون کے اساتذہ کو بھی اسی طریق کار کے مطابق اپنا مطالعہ زیر درس کتاب تک محدود نہ رکھنا چاہیے، مثلاً ''ہدایہ اولین، آخرین'' پڑھاتے وقت ''فتح القدیر'' اور ''حاشیہ مولانا احمد حسن سنبھلیؒ'' ورنہ کم ازکم ''عنایہ'' کا۔

اور ''حماسہ'' پڑھاتے وقت اس کی شرح ''فیضی وتبریزی'' ورنہ کم ازکم ''حاشیہ مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ'' کا اور ''متنبی'' پڑھاتے وقت ''شرح برقوقی'' ورنہ ''حاشیہ مولانا

اعزاز علیؒ'' ضرور زیر مطالعہ رہنا چاہیے۔

(۷) علم کلام جدید اور علم اخلاق بھی جدید علوم ہیں، ان کے پڑھانے والے استاذ کے لیے متعلقہ کتاب شروع کرانے سے قبل علم اخلاق میں امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم'' کا، ورنہ کم ازکم ''کیمیائے سعادت'' کا، اور علم کلام جدید میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی ''حجۃ الاسلام''، ''انتصار الاسلام''، ''قبلہ نما'' کا، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

اس طبقہ کے استاذ کو چار سے زیادہ اسباق ہرگز نہ دیے جائیں ورنہ وہ کتاب اور فن کا حق ہرگز ادا نہ کرسکے گا اور طلبہ تشنہ کام اور ادھورے رہ جائیں گے، اور مدرس کا اس میں کچھ قصور نہ ہوگا، خصوصاً علومِ جدیدہ، کہ ان سے تو عموماً مدارس عربیہ کے اساتذہ خود ناآشنا ہے، درحقیقت استاذ کو پہلے خود پڑھنا پڑے گا پھر پڑھا سکے گا، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے حواشی اور شروح بھی نہیں، معرَّا کتابیں ہوتی ہیں، مدرسہ کو اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔ (ماہنامہ وفاق المدارس، ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ)

سبق میں جانے سے پہلے بھرپور مطالعہ:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

اہم بات یہ ہے کہ طالب علم کو علمِ صحیح دو، ہمارے بزرگوں نے اس کے لیے فرمایا کہ ہر استاذ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ جانے سے پہلے اپنے سبق کی تیاری کرے، اس تیاری میں صرف اتنی بات نہیں کہ جو کچھ پڑھانے جارہا ہے اس کا مطالعہ کرلیا، یہ تو ہے ہی، ضروری یہ ہے کہ مطالعہ کرکے اچھی طرح اس کو خود اپنے ذہن میں بٹھائے، اور جب تک کوئی مسئلہ واضح اور منشرح طور پر دل میں نہ آئے اس وقت تک نہ پڑھائے، ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا رسول خان صاحب قدس سرہ کئی مرتبہ ہمارے یہاں دارالعلوم تشریف لائے، انہوں نے ایک نصیحت یہ فرمائی تھی کہ دیکھو بھائی جو پڑھانے جارہے ہو،

اس کے اوپر جب تک مکمل شرح صدر نہ ہو اس کو نہ پڑھاؤ، چھٹی لے لو اس دن کی، اس واسطے کہ بات واضح نہیں ہوئی، لیکن پڑھاؤ تو اس طرح پڑھاؤ کہ جب مکمل شرح صدر ہو چکا ہو کہ میں جو بات کہنے جا رہا ہوں واقعۃً وہی صحیح ہے وہی میں پڑھاؤں گا۔

اس کے علاوہ مطالعہ اور تیاری میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق اس کو کس طرح میں آسان کر کے سمجھا سکتا ہوں، یعنی سمجھانے کا طریقہ بھی مطالعہ کے دوران سوچنا ہے۔

بعض اوقات کوئی بحث ہے، دقیق ہے، مشکل ہے، طلبہ کی ذہنی سطح سے بالاتر معلوم ہو رہی ہے، یہ بھی مدرس اور استاذ کا فریضہ ہے کہ یہ سوچ کر جائے کہ کسی طرح اِس کو آسان کر کے طلبہ کو سمجھاؤں، میرے شیخ حضرت مولانا سبحان محمود صاحب قدس سرہ، ہم نے ان سے ابتدائی کتابوں سے پڑھا تھا، میزان اور نحو میر سے لے کر چوتھے درجہ تک ساری کتابیں تقریباً اُن سے پڑھیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے مطالعہ میں بہت کافی وقت اس پر صرف کرتا ہوں کہ جو مضمون پڑھانے جا رہا ہوں اس کو کس طرح آسان کر کے سمجھاؤں، باقاعدہ اہتمام کرتا ہوں اس کو سوچنے کے لیے پورا وقت دیتا ہوں، بعض اوقات اس کا خاکہ لکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کا خاکہ لکھ کر بورڈ پر سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے، تو یہ سوچ کر جاتا ہوں کہ بورڈ پر کس طرح سمجھاؤں۔

جب آدمی یہ سوچ کر جاتا ہے تو پھر دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل بحث طلبہ کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ (رموز تدریس: ۱۰۶، ۱۰۷)

اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

’’استاذ سبق کی ایسی تیاری کر کے آئے کہ وہ سبق اس کو زبانی یاد ہو، مختلف عنوانات سے وہ طلبہ کو سمجھانے پر قادر ہو، ایسا نہ ہو کہ کتاب کے تابع ہو کر وہ بات کر رہا ہے، کتاب ہٹا دی جائے تو وہ سبق کے بیان کرنے سے قاصر ہو، پورا سبق استاذ کو خود

اپنے ذہن میں پورے طریقے سے محفوظ کر کے درسگاہ میں آنا چاہیے، اور سبق کی تقطیع کر کے سمجھانا چاہیے، یہاں سے لے کر یہاں تک یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اور یہاں سے لے کر یہاں تک یہ مسئلہ بیان کیا گیا، اس کے بعد جزء اول کا خلاصہ بھی نہایت آسان عنوان سے بیان کرے، دوسرے جز کا خلاصہ بھی نہایت آسان عنوان سے بیان کرے، پھر اس کے بعد کتاب پر منطبق کرے، اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو طالب علموں کو بہت سہولت اور آسانی ہوتی ہے‘‘۔ (تحفۃ المدرسین: ۲۷۷)

نحو وصرف کی تدریس سے متعلق ضروری ہدایات

میزان الصرف یا علم الصیغہ:

(۱) صرف کے آغاز میں گردانیں یاد کرانا ناگزیر ہے، گردانیں اس طرح یاد ہونی چاہئیں کہ وہ خود بخود زبان پر چڑھ جائیں، اور کسی جگہ اٹکاؤ، یا جھجھک باقی نہ رہے۔

(۲) لیکن عموماً اساتذہ صرف گردانوں کے رٹوانے پر اکتفاء کر لیتے ہیں، اور جب طالب علم کو کوئی گردان اچھی طرح حفظ ہو جائے تو آگے منتقل ہو جاتے ہیں، اور صیغوں کی شناخت کی طرف توجہ نہیں دیتے، حالانکہ طالب علم کو گردان کا یاد ہونا جس قدر ضروری ہے اتنا ہی ضروری یہ ہے کہ وہ ہر صیغے کو فوراً پہچان کر اس کا صحیح مطلب اور اس کا محل استعمال اچھی طرح سمجھ لے، لہٰذا استاذ کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ گردان یاد کرانے کے بعد مندرجہ ذیل کام کرے اور جب تک ان کاموں کی تکمیل اطمینان بخش طریقے پر نہ ہو، اگلے درس کی طرف منتقل نہ ہو۔

(الف) ہر ہر صیغے کے بارے میں یہ پہچان ہو کہ وہ کونسا صیغہ ہے؟ مذکر ہے یا مونث، واحد ہے یا تثنیہ یا جمع؟ اس کے لیے دو طرفہ مشقیں زبانی طور پر کرانی ضروری ہیں، یعنی طالب علم سے مختلف صیغوں کے بارے میں یہ پوچھا جائے کہ وہ کون سا صیغہ ہے، مثلاً ’’فعَلَت‘‘ یا ’’ضربَتْ‘‘ کون سا صیغہ ہے؟ دوسرے مختلف صیغوں کے نام لے کر وہ صیغے بنوائے جائیں، مثلاً ’’ضرب‘‘ سے ماضی کا واحد مونث حاضر، وغیرہ دونوں قسم کی مشقیں

اتنی کثرت سے کرائی جائیں کہ صیغوں کی یہ دوطرفہ پہچان طالب علم کے ذہن نشیں ہوجائے اور ہر طالب علم سے اوسطاً ہر صیغے کے بارے میں متعدد سوالات ہوجائیں، اس کام میں اگر ایک دو سبق پورے بھی خرچ ہوجائے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہر صیغے کے صحیح معنی طالب علم کے ذہن نشیں ہوں، اور صیغہ سنتے ہی اس کے معنی اس کی سمجھ میں آجائیں، اس کے لیے بھی دوطرفہ مشقوں کی ضرورت ہے، ایک طرف عربی صیغہ بول کر طالب علم سے اس کے معنی دریافت کیے جائیں، اور دوسری طرف اردو بول کر اس کا ترجمہ طالب علم سے کرایا جائے، یہ دوطرفہ مشقیں بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہئیں کہ صیغوں کے معنی اور ان کا صحیح محلِ استعمال ذہن میں پیوست ہوجائے۔

(ج) میزان میں تمام گردانیں فعل کے مادے پر مبنی ہیں، اور وہی یاد کرائی جاتی ہیں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے مادوں سے وہی گردانیں طالب علم سے نکلوائی جائیں، مثلاً: أَكَلَ، قَرَأَ، فَتَحَ، سَجَدَ، وغیرہ، اور ان کے معانی بھی ذہن نشین کرائے جائیں۔

(د) جن مشقوں کا ذکر اوپر (ب) اور (ج) میں کیا گیا ہے، وہ زبانی طور پر کرانے کے علاوہ تحریری طور پر کرانا بھی لازمی ہے، یعنی اردو میں ایسے جملے دیے جائیں جن کا ترجمہ طلبہ اپنے پڑھے ہوئے افعال کے مختلف صیغے بنا کر کرسکیں، مثلاً مندرجہ ذیل جملوں کا ترجمہ کرایا جائے:

ان عورتوں نے سجدہ کیا۔ تم مردوں نے کھایا۔ ان دو عورتوں نے پڑھا، وھکذا۔

ان مشقوں میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ تمام صیغے استعمال ہوجائیں۔

یہ تمام کام ماضی، مضارع، امر و نہی کی تمام گردانوں میں کرائے جائیں۔

(۳) تحریری مشقوں میں شروع ہی سے طالب علم کو اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ وہ صاف ستھرے انداز میں سلیقے سے لکھے، جہاں حاشیہ چھوڑنا ضروری ہو وہاں چھوڑے، سطریں سیدھی رکھے، تحریر اور ترتیب میں توازن ہو۔

(۴) جو طالب علم تحریری کام کرکے نہ لائے اور اس کے پاس معقول عذر نہ ہو، اس کو مناسب تنبیہ کی جائے۔

(۵) جو طلبہ حافظے یا ذہن کے اعتبار سے کمزور ہوں، انہیں ہر روز کا سبق یاد کرانے کی ذمہ داری جماعت کے ذہین اور اچھے طلبہ پر لگائی جائے اور جن طلبہ سے تمام اس طرح کی کوششوں کے باوجود مایوسی ہوجائے، ان کی رپورٹ ناظم تعلیمات کو کی جائے، اور اگر مایوسی حق بجانب ہو تو اس کو تعلیم کے بجائے کسی اور مشغلے میں لگانے کے لیے فارغ کردیا جائے۔

(۶) صرف صغیر میں اگرچہ ہر گردان کا صرف ایک صیغہ طالب علم کو یاد کرایا جاتا ہے، لیکن استاذ کو چاہیے کہ وہ اس سے کبھی کبھی اس بحث کی پوری گردان سنے مثلاً باب استفعال کی صرف صغیر میں مضارع کا وہ صرف ''یَسْتَنْصِرُ'' یاد کرے گا لیکن اس سے ''یَسْتَنْصِرُ'' کی گردان نکلوائی جائے اور پھر اس میں بھی مندرجہ بالا مشقیں جاری کی جائیں۔

(۷) تعلیلات کے بیان میں بھی صرف تعلیلات کے قواعد یاد کرانا کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر قاعدے کو بہت سی مثالوں سے سمجھایا جائے، اور طالب علم سے مختلف مثالوں میں ان قواعد کا اجراء کرایا جائے۔

نحو میر یا علم النحو:

اساتذہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لیے علم نحو کی ٹھیک ٹھیک فہم، اس کا مکمل اجراء اور اس کے قواعد کا صحیح استعمال ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، لہذا نحو کی تعلیم پر آنے والے ہر علم وفن کی تحصیل موقوف ہے، اگر یہ بنیاد کمزور رہ جائے تو دورہ حدیث تک کی پوری تعلیم کمزور اور بے اثر ثابت ہوجاتی ہے، اس لیے نحو کے استاذ کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اور اس سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت ناگزیر اور لازمی ہے۔

(۱) نحو کی تعلیم میں اصل مقصد کتاب کی عبارت یاد کرانا نہیں، بلکہ اس میں بیان

کردہ قواعد ومسائل کو طالب علم کے اس طرح ذہن نشین کرانا ہے کہ متعلقہ موقع پر طالب علم کو وہ قاعدہ یا مسئلہ یاد آجائے۔

(۲) زیر درس کتاب میں عموماً کسی اصطلاح یا قاعدے کی تشریح کے لیے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن استاذ کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ ہر اصطلاح اور قاعدے کی تشریح کے لیے طلبہ کے سامنے از خود بہت سی مثالیں بیان کرے، اور بہتر یہ ہے کہ یہ مثالیں عام گفتگو کے علاوہ قرآن کریم سے بھی اخذ کی جائیں، تاکہ قرآن کریم سے بھی مناسبت پیدا ہوتی جائے، اس غرض کے لیے استاذ کو چاہیے کہ ''مفتاح القرآن'' کو مستقل اپنے مطالعہ میں رکھے۔

(۳) خود بہت سی مثالیں دینے کے بعد طلبہ سے بھی مثالیں بنوانا اور مختلف مثالیں بول کر طلبہ سے ان کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہے، یہ کام زبانی بھی ہونا چاہیے اور تحریری بھی۔

(۴) اصطلاح یا قاعدے کی محض نظریاتی تفہیم کو ہرگز کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ اس کے عملی اجراء پر زیادہ زور دیا جائے، چنانچہ جب پچھلا سبق طلبہ سے سنا جائے تو اس میں صرف قاعدہ ہی نہ پوچھا جائے، بلکہ مختلف مثالوں کے ذریعہ سوال کرکے اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالب علم میں اس قاعدے کو عملی طور پر جاری کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟

مثلاً قاعدہ یہ ہے کہ غیر منصرف کا اعراب حالت جری میں فتحہ سے ہوتا ہے، اب صرف اس سوال پر اکتفا نہ کیا جائے کہ غیر منصرف کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ بلکہ ایسے جملے اردو میں بول کر عربی میں ان کا ترجمہ کرایا جائے، جن میں کوئی غیر منصرف لفظ حالت جری میں آیا ہو، یا ایسے عربی جملے بغیر حرکات کے تختہ سیاہ پر لکھے جائیں، جن میں غیر منصرف لفظ حالت جری میں ہو، اور ان پر حرکات لگوائی جائیں، یا ایسے غلط جملے طالب علم کو دیے جائیں، جن میں غیر منصرف کا اعراب صحیح نہ ہو اور پھر اس سے کہا جائے کہ وہ اسے صحیح کرے۔

(۵) طالب علم جب بھی کوئی غلط جملہ بولے یا غلط پڑھے اس کو فوراً ٹوک کر جملہ

درست کرایا جائے، عام طور سے طلبہ میں مضاف پر الف لام داخل کرنے، موصوف صفت اور مبتدا خبر میں مطابقت نہ کرنے وغیرہ کی غلطیاں شروع سے جڑ پکڑ جاتی ہیں، ان غلطیوں کو کسی بھی قیمت پر گوارہ نہ کیا جائے، بلکہ طالب علم سے اصلاح کرائی جائے، تاکہ شروع ہی سے ان غلطیوں سے احتراز کی عادت پڑ جائے۔

(۶) جو قواعد کثیر الاستعمال ہیں ان پر قلیل الاستعمال قواعد کے مقابلے میں زیادہ زور دیا جائے، سبق سننے کے وقت بھی اور امتحانات میں بھی کثیر الاستعمال قواعد کے بارے میں زیادہ سوالات کیے جائیں، بلکہ قلیل الاستعمال قواعد کے بارے میں بتایا بھی جائے کہ ان کا استعمال کم ہوتا ہے، مثلا پانچ ممکنہ وجوہ اعراب میں طالب علم کو بتادیا جائے کہ راجح اور کثیر الاستعمال کون سی ہے؟

(۷) اسم متمکن کی جو سولہ اقسام کتاب میں مذکور ہیں، ان کو ذہن نشین اور یاد کرانے اور ان کے عملی اجراء پر بہت زور دیا جائے، مختلف الفاظ کے بارے میں طلبہ سے پوچھا جاتا رہے کہ یہ اسم متمکن کی کون سی قسم ہے؟ اور اس کا اعراب کیا ہے؟

(۸) طلبہ کو ہر روز یا کم از کم تیسرے دن کوئی نہ کوئی تحریری مشق ضرور دی جائے، اور مشقوں کا طریقہ وضع کرنے کے لیے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ''عربی کا معلم''، ''معلم الانشاء'' اور ''النحو الواضح للابتدائیۃ'' کو اپنے مطالعے میں رکھے اور جو بحث پڑھائی گئی ہے، اس کے متعلق ان کتابوں میں دی ہوئی مشقوں میں سے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے مشقیں منتخب کرکے ان کو تحریری جواب کا پابند بنائے۔

(۹) ''مأۃ عامل'' کی تعلیم میں ہر عامل کے عمل کو ذہن نشیں اور مستحضر کروانے کے لیے مثالوں سے کام لیا جائے، اور ان کی بھی زبانی اور تحریری مشقیں کرائی جائیں۔

ہدایۃ النحو:

''ہدایۃ النحو'' درس نظامی کے طلبہ کے لیے انتہائی ناگزیر بیحد مفید اور نہایت اہم کتاب ہے، اور اسے نحو کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنا چاہیے، علم نحو سے جو کچھ مناسبت پیدا ہوتی

ہے، وہ اسی کتاب میں ہوگی، لہذا اس کو پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے:

(۱) اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ نحو کے بنیادی قواعد اور اس کا مرکزی ڈھانچہ آسان اور عام فہم انداز میں طالب علم کے ذہن نشیں ہو جائے، اور ساتھ ہی اس میں عربی زبان میں نحو کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

(۲) اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب کے بیان کردہ مسائل کی تفہیم پر اکتفاء کرے، اور اس کتاب کی شروح مثلاً: ''درایۃ النحو'' وغیرہ میں جو غیر متعلق مباحث مذکور ہیں، ان کو درس میں نہ خود چھیڑے نہ طلبہ کو چھیڑنے کی اجازت دے، یہ نحو کی بنیاد رکھنے کا وقت ہے، اور طالب علم کی پوری توجہ کتاب کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے اجراء پر مرکوز ہونی ضروری ہے، اگر اس کا ذہن خارجی مباحث میں الجھا دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور کتاب کے مسائل اور ان کے اجراء پر طالب علم کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے، اور پھر یہ کمی آگے کہیں پوری نہیں ہوتی۔

(۳) کتاب کے مسائل کو سمجھانے، یاد کرانے اور ان کو اچھی طرح ذہن نشیں کرانے کے لیے ان تمام ہدایات کو یہاں بھی مدنظر رکھا جائے، جو ''نحو میر'' اور ''علم الصرف'' کی تدریس کے لیے بیان کی گئی ہیں، چنانچہ اصطلاح اور ہر قاعدے کی تشریح میں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ صرف کتاب کی دی ہوئی مثال پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی بہت سی مثالیں اپنی طرف سے سوچ کر طلبہ کو بتائی جائیں، پھر ان سے نئی مثالیں بنوائی جائیں اور کوشش کی جائے کہ مثالیں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم سے ماخوذ ہوں۔

مثلاً کتاب میں ''ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر'' کی صرف ایک مثال دی گئی ہے، استاذ کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم سے اس کی آسان مثالیں تلاش کر کے طالب علم کے سامنے بیان کرے اور اس میں متعلقہ قواعد کا اجراء کرائے، مثلاً:

''وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا''، ''وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا''، ''إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ''، ''وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ''، ''وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ''.

(۴) اس کتاب میں بھی زبانی اور تحریری تمرینات کا اسی طرح اہتمام کیا جائے، جیسے نحو میر اور علم الصرف کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) ان مشقوں کے لیے ''النحو الواضح'' کے مختلف حصوں کو بالالتزام مطالعہ میں رکھے اور جو سبق پڑھائے اس کو کتاب میں پڑھ کر اس کی تمرینات اور اس میں دی ہوئی مثالوں سے استفادہ کرے۔

کافیہ:

''کافیہ'' علم نحو کی وہ اہم کتاب ہے جس میں نحو کے اعلیٰ درجے کے مسائل بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کردئے گئے ہیں، اس کتاب کا مقصد نحو کے مبادی سے کماحقہ واقفیت کے بعد اس علم کے تفصیلی مسائل کے ذریعے طالب علم میں فن کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا اور اس کے ساتھ شواہد کی مدد سے مسائل نحو کے استنباط کا سلیقہ سکھانا ہے۔

لیکن ہمارے دور میں ان مقاصد کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ اس کتاب کا وہ طریق تدریس ہے جس میں سارا زور غیر متعلق چوں وچرا پر صرف کردیا جاتا ہے اور اس چوں وچرا کی کثرت میں کتاب کے اصل مسائل گم ہو کر رہ جاتے ہیں، اور طالب علم کی توجہ ٹھیٹھ نحوی مسائل ومباحث کے بجائے اعتراض وجواب کی طرف لگ جاتی ہے، لہذا:

(۱) کافیہ سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ استاذ نفس کتاب کی تفہیم پر اکتفاء کرے، البتہ اس تفہیم کا معیار ''ہدایۃ النحو'' سے اتنا بلند ہونا چاہیے کہ عبارت کے فوائد وقیود اور ایک ایک لفظ کا پورا پس منظر طالب علم کے سامنے بیان کیا جائے، اور مصنف نے مختصر الفاظ میں جو مباحث سموئے ہیں، وہ پوری تفصیل کے ساتھ طالب علم کے سامنے آجائیں، لیکن اس کے علاوہ ان فضول عقلی موشگافیوں اور لفظی

مناقشات سے مکمل پرہیز کیا جائے، جن سے براہِ راست نحو کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) ''کافیہ'' کی سب سے بہتر شرح ''رضی''، ''شرح جامی'' اور ''عصام'' کو استاذ اپنے مطالعہ میں رکھے، لیکن طالب علم کے سامنے ان میں سے صرف وہ منتخب کر کے پیش کرے، جو کتاب سمجھنے کے لیے ضروری ہوں یا جن کا براہِ راست نحو سے تعلق ہو، ''تحریر سنبٹ'' اور اس قسم کی دوسری شرح جو محض چوں و چرا پر مشتمل ہیں استاذ چاہے تو اپنی دلچسپی کے لیے مطالعہ میں رکھے، لیکن اس قسم کے مباحث نہ طلبہ کے سامنے بیان کرے اور نہ طلبہ کو ایسی شروح دیکھنے کی اجازت دے، مثلاً: الکلمة لفظٌ وُضعَ لمعنیً پر جس طرح عموماً کئی کئی دن خرچ کیے جاتے ہیں، اس کی چنداں ضرورت نہیں، اس جملے کے مطلب کے علاوہ صرف الف لام کی قسمیں، مفرد کا مطلب اور مفرد کی مختلف وجوہ اعراب اور ان سے حاصل ہونے والے معانی پر اکتفاء کیا جائے، لیکن الف لام کی قسموں کو اتنی مثالوں سے سمجھایا جائے کہ ہر قسم کی پوری شناخت طالب علم کے ذہن نشیں ہو جائے، اور پھر طالب علم سے بھی ان مختلف قسموں کی مثالیں نکلوائی جائیں۔

(۳) اس قسم کے مباحث ترک کرنے سے جو وقت بچے گا اس کو حقیقی نحوی استعداد پیدا کرنے میں صرف کیا جائے، چناں چہ کتاب کے مسائل کی خارجی مثالیں اور قرآن وسنت اور کلام عرب سے ان کے شواہد پیش کیے جائیں، اور طلبہ سے ایسے فقرے بنوائے جائیں جن میں وہ مسائل جاری ہو۔

اس غرض کے لیے ضروی ہے کہ ''کافیہ'' کا استاذ ''النحو الوافی'' کو بالالتزام اپنے مطالعہ میں رکھے، اس کتاب میں کافیہ کے معیار کے مسائل کو قرآن وسنت اور کلام عرب کے شواہد سے سمجھایا گیا ہے، اسی کتاب میں تمرینات بھی موجود ہیں، ان تمرینات سے مدد لے کر استاذ اپنے طلبہ کے لیے تمرینات مرتب کرے جن کا مقصد ایک طرف یہ ہو کہ کافیہ کے مسائل کا اجراء ہو سکے، اور دوسری طرف اس طرح عربیت کا ادبی ذوق بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوتا چلا جائے۔

اور اصل بات یہاں بھی وہی ہے کہ ''کافیہ'' سے طالب علم کو صحیح فائدہ پہنچنے کا مدار استاذ کے اپنے نحوی اور ادبی ذوق پر ہے جسے ترقی دینے کی ہر استاذ کو کوشش کرنی چاہیے، اور نحو اور ادب کی معیاری کتابیں اپنے عام مطالعے میں رکھنی چاہئیں۔

علم الصیغہ:

''علم الصیغہ'' ہمارے نصاب میں صرف کی آخری کتاب ہے، اس میں اہم ترین حصہ قواعد، تعلیلات کا ہے، یہ قواعد اس کے بعد کہیں طالب علم کے سامنے نہیں آئیں گے، لہذا ان کو خوب یاد کرا کے از بر کرا دینا اور ان کا اجراء استاذ کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

اس طرح ''خاصیات'' کا بیان پہلی اور آخری مرتبہ صرف ''فصولِ اکبری'' ہی میں طالب علم کے سامنے آئے گا، ان خاصیات کو بھی نہ صرف ذہن نشیں، بلکہ اچھی طرح یاد کرنا لازمی ہے۔ (درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں؟)

حضرت مفتی تقی صاحب اپنی اسی کتاب (درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھے اور پڑھائیں) میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''ابتدائی درجات کے نصاب میں صرف ونحو کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اجراء کا اہتمام ہو، ہر ہر قاعدے کے ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دے کر قاعدے کو ذہن نشیں کرایا گیا ہو، اور پھر تمرینات کے ذریعے طلبہ کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو، عرب ممالک میں اس غرض کے لیے بہت سی کتابیں تیار ہوئی ہیں، مثلا نحو وصرف کے ابتدائی اور متوسط درجات کے لیے ''النحو الواضح'' اور اعلیٰ درجات کے لیے ''النحو الوافی'' وغیرہ ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے''۔

(درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں:٦٦)

کتب فقہ کا انداز تدریس

قدوری تا ہدایہ پڑھانے کا طریقہ

مختصر القدوری:

جس طرح ''ہدایۃ النحو'' علم نحو کی بنیاد ہے، اسی طرح ''مختصر القدوری'' فقہ حنفی کی بنیاد ہے، یہ ایک سلیس، آسان مختصر مگر جامع کتاب ہے، جس کی تدریس بڑے اہتمام سے ہونی ضروری ہے، اور اس میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا چاہیے:

(۱) عبارت ہر طالب علم سے باری باری پڑھوائی جائے اور طلبہ کو پابند کیا جائے کہ وہ مطالعہ کر کے آئیں، عبارت کی کسی ادنی غلطی، یہاں تک کہ تلفظ سے بھی چشم پوشی نہ کی جائے اور عبارت کی درستی کو درس کا اہم حصہ قرار دے کر اس پر وقت صرف ہونے کی پرواہ نہ کی جائے۔

(۲) کتاب میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے، صرف اسی کو سمجھانے اور ذہن نشیں کرانے پر زور دیا جائے، خارجی مباحث نہ چھیڑے جائیں، البتہ اگر کسی مسئلہ کو سمجھانے کے لیے کچھ تفصیل کی ضرورت ہو، یا مفتی بہ قول بیان کرنا درست ہو تو الگ بات ہے۔

(۳) مسئلے کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جہاں مسئلے کا سمجھنا دلیل پر موقوف ہو یا دو مسئلوں میں وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہو صرف وہاں دلائل ذکر کیے جائیں۔

(۴) استاذ ''قدوری'' کی شروح میں سے ''جوہرہ'' اور ''لباب'' کو بطور خاص مطالعہ میں رکھے اور ضرورت کے وقت ''ہدایہ'' اور اس کی شروحات سے بھی مدد لے، لیکن طالب علم کو صرف اتنی بات بتائے جو اس کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔

(۵) شروح کے علاوہ استاذ کو چاہیے کہ وہ ''بہشتی زیور'' اور امداد الفتاویٰ'' بھی اپنے مطالعہ میں رکھے اور ہر سبق میں دیکھ لیا کرے کہ کتاب کا کوئی مسئلہ مفتی بہ قول کے خلاف ہو تو مفتی بہ قول بھی بیان کرے۔

(۶) تمام فقہی اصطلاحات اور ان کا مفہوم ومصداق طالب علم کو زبانی یاد کرایا جائے، اسی طرح ہر باب سے متعلق بنیادی مسائل اور کثیر الوقوع جزئیات بھی زبانی یاد ہونے چاہئیں، البتہ تفصیلات اور تفریعات وغیرہ میں اس بات پر اکتفا کیا جاسکتا ہے کہ طالب علم کتاب میں دیکھ کر اس کا مطلب بتاسکے۔

(۷) نماز کے سنن وآداب نہ صرف طالب علم کو زبانی یاد کرائے جائیں؛ بلکہ ان کی عملی مشق کرائی جائے، اور طلبہ کو ان کی عملی غلطیوں اور کوتاہیوں پر متنبہ کیا جائے، اور خارج درس بھی ان کے طرز عمل کی نگرانی کی جائے۔

(۸) طالب علم کے ذہن میں شروع ہی سے یہ بات پیدا کی جائے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے، وہ محض ایک نظریاتی علم یا فن نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اس کے عمل کی اصلاح ہے۔

شرح وقایہ:

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ فقہ کے سادہ مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد طالب علم فقہاء کرام کے اختلاف اور دلائل سے تعارف حاصل کرے، چناں چہ کتاب میں جو مباحث بیان ہوئے ہیں ان کی اسطرح تشریح کی جائے کہ طالب علم ان دلائل ومباحث کو نہ صرف سمجھ سکے بلکہ ان مباحث میں قوت مطالعہ اس کے اندر پیدا ہو۔

اس کے لیے مناسب ہے کہ استاذ وقتاً فوقتاً طلبہ سے پڑھے ہوئے سبقوں کے بارے میں سوالات کرتا رہے، یہ سوالات نفس مسائل کے علاوہ اختلافات اور دلائل کے بارے میں بھی ہونے چاہئیں۔

طلبہ کی عبارت کی تصحیح اور نحوی وصرفی قواعد کے اجراء کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہنا چاہیے۔

ہدایہ اولین وآخرین:

اس کتاب کو اگر درس نظامی کا حاصل اور علومِ دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بے جانہ

ہوگا، لہٰذا استاذ کو اسی اہمیت کے ساتھ اسے پڑھانا چاہیے، کتاب کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو مسائل کے ساتھ ان کے نقلی اور عقلی دلائل اور فقہاء کے مدارک استنباط سے واقفیت ہو، اس کتاب کی تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازمی ہے:

(۱) عبارتِ کتاب کی تصحیح لازمی ہے۔

(۲) مسئلے کی صورت کا واضح بیان، جو خارجی مثالوں سے مصور کر کے ہو تو بہتر ہے، اور مسئلے کے حکم کی تفصیل مع اختلاف فقہاء۔

(۳) مسئلے کے دلائل کی توضیح اور مخالف فقہاء کی دلائل کا جواب۔

(۴) دلائل کے بیان کے وقت جس قدر ممکن ہو اصولِ فقہ کے قواعد کا اجراء کرایا جائے۔

(۵) اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالب علم کو باب سے متعلق اہم اور بنیادی مسائل یاد ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کا امتحان لیا جاتا رہے۔

(۶) کبھی کبھی طلبہ سے دلائل کی تقریر بھی کرائی جائے، تاکہ علمی باتوں کو واضح انداز میں سمجھانے کی عادت پڑے۔

(۷) اس بات کی بطور خاص نگرانی کی جائے کہ ''ہدایہ'' جیسی کتاب کے مطالعے اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت طالب علم میں پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔ (درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں)

تدریس کا دستور العمل:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اہل مدارس کی یہ خواہش ہے کہ ہمارے مدرسہ کے طلبہ تعداد میں بہت زیادہ ہوں، بندہ کو پسندیدہ نہیں، بلکہ ہر جماعت میں اتنے طلبہ لیے جائیں جن کو ایک مدرس سنبھال سکے اور زائد کا انکار کر دے، جہاں طلبہ کی کثرت ہے، وہاں مدارس کی کثرت بھی کچھ کم نہیں ہے، بعض مدارس کے مدرسین و مہتممین طلبہ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ دو سو طلبہ کی جماعت میں سے مدرسین لاعلی التعیین کسی طالب علم سے کہہ دے کہ عبارت پڑھو، اس سے کم از کم عبارت اور مطلب دریافت کرے اور کوتاہی پر تنبیہ

کرے؛ تاکہ پھر ہر طالب علم کو یہ فکر پیدا ہو کہ نہ جانے کل کس کا نمبر آجائے۔ میرے والد صاحب کا یہ طرزِ تعلیم ان کے مخصوص شاگردوں میں خاص طور پر میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ اور اور مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی من اجل خلفاء مرشدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ جو میرے والد صاحب کے خاص طور سے شاگرد رشید تھے اور انہوں نے تین برس میں ساری کتابیں میرے والد صاحب سے پڑھی تھیں، اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی میرے والد صاحب سے اس طلب پر کہ مجھے اپنے دو عزیزوں کے واسطے (یعنی مولانا ظفر احمد صاحب شیخ الاسلام پاکستان اور مولانا شبیر علی صاحب مہتمم خانقاہ اشرفیہ جو بعد میں کراچی تشریف لے جا کر انتقال فرما گئے) ایک اچھا مدرس چاہیے، اس میں میرے والد صاحب نے مولانا عبداللہ صاحب کو تجویز کیا تھا، جس کی تفصیل ''اکمال الشیم'' کے مقدمہ میں مذکور ہے مولانا شبیر علی صاحب، استاذ مولانا عبداللہ صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

''میرے استاذ محترم (یعنی مولانا عبداللہ صاحب) کے استاذ الاستاذ (مولانا محمد یحییٰ صاحب) نے عمر بھر کسی کو پڑھایا نہیں بلکہ گھول کر پلایا ہے، تو شاگرد رشید کیوں نہ ایسے ہوتے، چناں چہ جب استاذ کے سپرد کیا گیا تو اول مجھے کچھ اردو پڑھائی، پھر فارسی شروع کرا دی، اس زمانے میں آمدنامہ وغیرہ سے فارسی شروع کرائی جاتی تھی، مگر استاذ محترم کو تو گھول کر پلانا تھا، لہٰذا میری تعلیم کے لیے ایک مستقل کتاب کتاب تیسیر المبتدی شروع فرمائی، گھول کر پلانے کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جب میری عمر ۱۴/سال کی تھی تو ہدایہ، مشکوٰۃ وغیرہ سب مجھے گھول کر پلا چکے تھے''۔

درس وتدریس کا ایک اہم اصول:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''انتظام کی ہر چیز میں ضرورت ہے، میں درس کے وقت مدرسین کے پاس ایسے

شخص کو نہیں بیٹھنے دیتا جو شریک درس نہ ہو، میں جس وقت کانپور میں مدرس تھا میرا یہی معمول تھا، اس میں خرابی یہ ہے کہ استاذ کو تو یہ فکر کہ کوئی بات تقریر میں کتاب کے خلاف نہ ہو جائے اور شاگرد کو یہ فکر کہ کوئی ایسا سوال نہ ہو کہ جس سے ہم بداستعداد خیال کیے جائیں، تو دونوں مشوش (فکر مند) ہو جاتے ہیں، آج کل مدارس میں قطعاً اس کا انتظام نہیں کیا جاتا، یوں ہی وقت خراب کیا جاتا ہے“۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۳)

مثالی مدرس کی صفات پر ایک نظر:

حضرات مدرسین کی خدمت میں مختصراً ان کے فرائض کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مدرس کو تدریس سے پہلے درس کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔

(۲) مدرس طلبہ کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے۔

(۳) مدرس اپنے کام کو حصولِ رزق کا وسیلہ نہیں، بلکہ دینی ومعاشرتی خدمت تصور کرے۔

(۴) طلبہ کے سامنے دوسرے اساتذہ کی ذات اور ان کے طرزِ تدریس پر نکتہ چینی نہ کرے۔

(۵) مدرس اپنی جملہ توجہ طلبہ کے کردار کی تشکیل پر دے۔

مندرجہ بالا فرائض کے ساتھ مدرس کو چاہیے کہ اپنا اندازِ بیان اور طریقۂ تدریس آسان بنائے، اس لیے کہ جو شخص اپنے مخاطب کی ذہنی سطح کو نظر انداز کر کے نصیحت کرتا ہے، تو اس کی گفتگو سے بعض اوقات نفع کم اور نقصان زیادہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، مدرس کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو اور اسے اپنے نفس کی اصلاح کی فکر ہو، جس کے لیے ضروری ہے کہ کسی صاحب باطن، اہل دل سے مکمل رابطہ ہو، اس کے بغیر عادۃً تجربہ، معلومات معمولات نہیں بن سکتیں۔

مدرس طلبہ کی حوصلہ افزائی کرے؛ تاکہ وہ استاذ کی نقل وتقلید کے علاوہ خود بھی تعمیری کام کرسکیں، مدرس ذاتی طور پر تدریس کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے مطالعہ وتحقیق کرتا رہے۔

مدرس کو خوش مزاج اور پر امید ہونا چاہیے اور دوران تدریس مناسب موقعوں پر خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کیوں کہ بعض دفعہ خوش مزاجی تدریس کے لیے بڑی موثر ہوتی ہے۔ (مثالی استاذ:۱۳۰)

(۶) معلم کو اپنے کارِ منصبی نہایت ذمہ داری سے ادا کرنے چاہئیں، تاکہ جو درس وہ دے رہا ہو وہ طلبہ کو اچھی طرح ذہن نشیں کرائے اور دوران تعلیم فضول گوئی، جھوٹی سچی باتوں، زمین وآسمان کے قلابے ملانے اور بے سروپا حکایات سنانے یا اپنے ذاتی حالات کا ذکر طلبہ کے سامنے کرنے سے گریز کرے، بلکہ طلبہ میں اپنی شخصیت، طرزِ عمل اور علمیت سے وقار قائم کرے۔

(۷) درسگاہ میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہیے اور سبق شروع کرنے سے پہلے حاضری لینا اور طلبہ کے پاس کتابیں وغیرہ دیکھنا ان کی صحت اور صفائی کا خیال رکھنا غیر حاضر طلبہ کے بارے میں معلومات کرنا اور اگر بیمار ہوں تو ان کے لیے دعا کرنا اور ممکن ہو تو ان کی عیادت کے لیے جانا اور غلط طریقے پر اور بے نیازی کے انداز میں بیٹھے ہوئے طلبہ کو سیدھا بیٹھنے کی ہدایت کرنا، معلم کی خوبی ہے، نیز طلبہ کے ساتھ زیادہ فضول ربط وضبط بڑھانے سے گریز کرے، اور طلبہ کی ہمت افزائی کے لیے وقتاً فوقتاً انعامات دینے کا سلسلہ جاری رکھے۔

(۸) بلا ضرورت رخصت پر نہ جائے، بلکہ مدرسہ میں داخل ہوتے ہی سارا وقت درس وتدریس اور مطالعہ میں گزارے، خوش گپیوں اور بیکار کاموں میں وقت ضائع نہ کرے، حتی کہ ادارہ میں اخبار بھی پڑھنے سے گریز کرے۔

(۹) استاذ شاگردوں پر شفقت کرے، ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انما انا لکم مثل الوالد“ (میں تم میں شفقت کے اعتبار سے ایسا ہوں جیسے باپ اپنے بچوں کے لیے ہوتا ہے۔

(۱۰) آداب تعلیم یعنی سکھانے میں صاحب شریعت کی پیروی کرے، محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی نیت کرے، جزا یا شکریہ کا قصد نہ کرے اور نہ طلبہ پر

احسان جتلانے کی نیت کرے۔

(۱۱) شاگردوں کو نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

(۱۲) طالبِ علم کو اگر سوءِ خلق پر سزا دے تو بطریق تعریض اور بطریق رحمت دے۔

(۱۳) جو علم پڑھا رہا ہو اس کے علاوہ جو دوسرے جائز علوم ہیں، ان کی مذمت طلبہ کے سامنے نہ کرے۔

(۱۴) طالب علم کی سمجھ کے مطابق تقریر کرے، ایسی تقریر نہ کرے جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو۔

(۱۵) استاذ اپنے علم پر عامل ہو؛ تاکہ اس کے فعل سے اس کے قول کی تکذیب نہ ہو۔

(۱۶) ابتداء میں اتنا سبق پڑھائے کہ سہولت کے ساتھ مبتدی دو مرتبہ دہرا سکے اور پھر آہستہ آہستہ بتدریج زیادہ کرتا جائے۔ (مثالی استاذ: ۱۶۳ تا ۱۶۶ ملخصاً)

اگر کسی کو صرف مال کمانے ہی کی دھن ہے تو وہ صرف تاجر ہے، ہاں اگر کسی کو علم حاصل کرنے کا شوق ہے اور جستجو کا مادہ ہے تو وہ واقعی ایک محقق مثالی استاذ کہلانے کا مستحق ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنا محاسبہ کرلیں کہ ہم اپنے آپ کو کس فہرست میں شمار پاتے ہیں؟

(۱۷) استاذ اس نیت سے پڑھائے کہ یہ سب بچے خود استاذ بن سکیں، یعنی اگر یہی سبق آج کسی بچے کو کہا جائے کہ تم دوسروں کو سمجھا دو تو وہ سمجھا سکے، اگر اس طرح محنت کے ساتھ استاذ نے سمجھا دیا تو وہ واقعتاً مثالی استاذ ہے۔ اسی لیے ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ کبھی کبھی استاذ بغیر تعین کے کسی بچے کو چاک (مارکر) ہاتھ میں پکڑا کر کہے: آج یا کل کا سبق تم دوبارہ ان سب بچوں کو سمجھاؤ! یا آج تم لوگ مطالعہ کرکے آنا، کل تم خود ہی پورا سبق حل کرنا۔ اس سے ان شاء اللہ بہت ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

(۱۸) استاذ مجلس کا خود ہی ادب کرے، تپائیوں، کتابوں کا ادب خود استاذ کرے گا تو بچوں پر بھی اس ادب کا اثر ہوگا۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی مجلس درس میں باوضو جاتے تھے، پہلے

دو رکعت نماز پڑھتے، پھر نہایت ادب اور وقار کے ساتھ بیٹھ کر بسم اللہ اور حمد وصلوٰۃ کے بعد درس شروع کرتے۔ (مثالی استاذ)

تدریس میں امانت ودیانت:

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسے سے تنخواہ تو پوری وصول کرلیتے ہیں، مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے، کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں، کبھی بلا وجہ سبق کا ناغہ کردیتے ہیں، کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں، جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہوجاتا ہے، یہ سب باتیں امانت ودیانت کے خلاف ہیں، خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔ (تحفۃ المدارس: ۱/۳۴۶)

مولوی کون ہے؟

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کی چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کرکے سمجھا اور پڑھا سکے۔ (ایضاً)

مدرس کیسا ہو؟

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا، جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں، آدمی مدرس ہو، مُفہم ہو، صالح ہو، مفسد نہ ہو، بس یہ کافی ہے، اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم وعمل سب تباہ ہوجائے گا۔ (تحفۃ المدارس: ۱/۳۴۳)

دارالعلوم دیوبند کا مبارک دور:

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لے کر دربان تک اور چپراسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔ (تحفۃ المدارس: ۱/۳۴۳)

علمی استحضار:

محمد بن احمد ابی سہیل سرخسی شمس الائمہ سرخسی کے نام سے مشہور ہیں، خلیفہ القادر باللہ کے عہد میں ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے، بڑے حق گو اور حریت پسند تھے، کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے تھے، بادشاہ کو اس کے بعض نقائص سے آگاہ کیا، اسے بتایا کہ رعب وداب اور طاقت کے زور سے رعایا خاموش تو ہوجاتی ہے مگر مطیع نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے دلوں پر حکومت ہوسکتی ہے، رعایا کا دل صرف اسی طریقے پر قابو کیا جاسکتا ہے کہ سختیاں دور کی جائیں، ان کی فریاد اور چیخ وپکار سنی جائے اور ہر طرح افراد رعایا کی دلجوئی کی جائے، بادشاہ ایسی آزادانہ گفتگو سننے کے بہت کم عادی ہیں، اس نے ناراض ہوکر شہر روز جند میں ایک پرانے کنویں کے اندر قید کردیا، آپ عرصہ تک قید رہے، اور آپ کے شاگرد کنویں پر آکر آپ سے سبق پڑھتے رہے اور آپ جو کچھ کنویں کے اندر کہتے وہ اسے لکھتے جاتے، محبوسی کی حالت ہی میں چار پانچ ضخیم کتابیں تیار ہوگئیں، آخر رہا ہوئے اور فرغانہ جا پہنچے، امیر فرغانہ نے بڑی عزت کی، آپ کے تمام شاگرد بھی اسی جگہ آگئے، اور یہاں بھی درسِ فقہ وحدیث جاری ہوگیا، آپ کی وفات بقول بعض ۴۹۰ھ اور بقول بعض ۵۰۰ھ میں ہوئی ہے، یہ زمانہ المستظہر باللہ کا تھا۔ (خزینہ:۱۱۳)

اساتذہ کے لیے چند ہدایات:

حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) جہاں کتاب نہ سمجھ میں آئے تو باتیں نہ بنائے، بلکہ صاف کہہ دے کہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا ہے، دوسرے وقت کتاب دیکھ کر یا کسی سے پوچھ کر بتاؤں گا، جب معلوم ہو بتلادے۔

(۲) اگر شاگرد کوئی بات بیان کرے اور وہ حق ہو تو بلا تکلف فوراً مان لے، ٹال مٹول نہ کرے۔

(۳) پڑھے گئے سبق کی بہت نگرانی کرے۔

(۴) پڑھانے کے وقت نہ اوروں سے باتیں کرکے ان کا نقصان کرے اور نہ ان کو فضول باتیں جو کتاب سے متعلق نہ ہوں بتلا بتلا کر ان کا حرج کرے۔

(۵) ہر کتاب پڑھنے کا جو نفع ہو، اتنی لیاقت پیدا کرا کر تب اگلی کتاب شروع کرادے۔

(۶) ان کے ہر فضول سوال کا جواب نہ دے، بلکہ اگر فضول سوال ہو تو ان کو ڈانٹے اور سزا دے۔

(۷) اس کا خیال رکھے کہ سوال سے زیادہ جواب نہ دے، جتنی باتوں کا سوال ہو اتنا ہی جواب دیا کرے۔

(۸) نیچے کی کتابوں میں اوپر کی باتیں نہ بتادے، اس سے طالب علم پریشان ہوگا اور جو ضروری باتیں کتاب کے زیر سبق کی ہوں گی انہیں بھی نہ یاد کرسکے گا۔

(۹) پڑھاتے وقت ہر طالب علم کی طرف توجہ کرے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

(۱۰) ہر کتاب کا خلاصہ بیان کردے خصوصاً جو سبق ہوا اور گزشتہ سبق کو اختصاراً بیان کردیا کرے؛ تاکہ طالبِ علموں کو خلاصۂ کتاب سے آگاہی ہوجایا کرے اور یادداشت سہولت وآسانی سے ہوجائے اور روزانہ سبق میں یہ بیان کردیا جائے کہ آج کے سبق میں یہ فلاں فلاں باتیں یاد کرنے کی ہیں، اور خلاصہ ان کا یہ ہے کہ طالب علم کثرت مضامین سے گھبرائے نہیں اور مضامین ذہن میں محفوظ رہیں اور ہر کتاب اور ہر سبق کے نئے مضامین پر انہیں مطلع کردے، اور ہدایت کردے کہ نئے مضامین کو الگ سے نوٹ کرکے یاد کریں۔

(۱۱) کتابوں میں جو مسائل کی مثالیں ہیں انہیں پر کفایت نہ کرے؛ بلکہ اور بہت سی مثالیں صحیح وغلط بنا کر انہیں دکھاوے اور صحیح وغلط کی ان سے تمیز کرادے، میں اعراب ان سے دلواوے یا خود اعراب دے کر ان سے تصحیح کرادے؛ تاکہ مسائل کی خوب مشق ہوجائے۔

(۱۲) طالب علموں کو مطالعہ کرنے کا، سبق یاد کرنے کا، آموختہ کی نگرانی کا طریقہ سکھلائے، اگر اس کی پابندی نہ کریں تو تنبیہ کرے۔

(۱۳) جس فن سے مناسبت نہ ہو وہ طلبہ کو نہ پڑھائیں، اگر چہ ان کے سرپرستوں کی تاکید ہو، کیوں کہ وہ فن پڑھانا ان کا وقت ضائع کرنا ہے۔

(۱۴) اخلاق رذیلہ وجمیلہ کے امثال، قرآن وحدیث سے چھوٹے چھوٹے جملے نکال کر معرب مبنی، اعراب عامل ومعمول وغیرہ کی مشق کرادیں، تاکہ قواعد بھی مشق ہوجائیں اور ادب بھی آجائے اور حدیث کا علم بھی ہوجائے اور حدیثیں ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائیں۔

(۱۵) مسائل وقواعد کی تقریر طلبہ سے کرادے؛ تاکہ ان کی زبان کھلے۔

(۱۶) بغیر مطالعہ سبق نہ پڑھائیں، مگر مطالعہ کرنے کا امتحان کرلیں، اس طرح کہ کہاں تک پڑھو گے؟ اگر ایسی جگہ بتائے جہاں پر بات تمام ہونے کو ایک جملہ باقی ہو، یا سوال کرلے کسی مسئلہ کی علت کا جو بعد میں بیان ہوا، اگر وہ کچھ نہ بولے تو سمجھو کہ اس نے مطالعہ نہیں دیکھا یا دیکھا ہے مگر بغیر غور کے۔

(۱۷) تھوڑا تھوڑا پڑھائیں مگر مطالعہ خوب کرادیں، یہ نہ خیال کریں کہ زیادہ زیادہ پڑھائیں؛ تاکہ کتاب جلد ختم ہوجائے، کیوں کہ کتاب ہی ختم کرا کر کیا کریں گے جب سمجھیں گے نہیں یا یاد نہ رکھیں گے اور یہ بھی نہ خیال کریں کہ دوسری کتاب سمجھا لیں گے، کیونکہ شاید دوسری کتاب پڑھنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ مثل پیش نظر رکھیں کہ ''جو تھوڑا پڑھتا ہے وہ تھوڑے دن میں پڑھتا ہے، اور جو زیادہ پڑھتا ہے'' وہ زیادہ دن میں پڑھتا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ جو زیادہ پڑھے گا وہ نہ مطالعہ ٹھیک طور پر کرے گا، نہ آموختہ کی نگرانی کرسکے گا اور نہ اچھی طرح سمجھے گا۔

(۱۸) استاذ کو چاہیے کہ صرف میں جو افعال، کہ باعتبارِ صحیح ومہموز ومعتل وغیرہ کے گیارہ قسم پر ہیں، ہر ایک کی ایک ایک گردان صرفِ صغیر کی، ایک ایک گردان صرف کبیر کی، خوب یاد کرادے اور ان کی تعلیلیں خوب مشق کرادیں اور اشعار عربیہ دعائیہ وصلواتیہ یاد کرادیں؛

تاکہ ادب بھی آجائے اور دعا ودرود جو مغز عبادت ہے یہ بھی حاصل ہوجائے اور انہیں جب ذوق وشوق ہو تب ان اشعار کو پڑھا کر دعا بھی مانگ لیں اور علم نحو میں عامل معمول کی خوب مشق کرادیں؛ کیوں کہ اس کی مشق کی بہت ضرورت ہے۔ (مجالس ابرار: ۲۲۳ تا ۲۲۶)

کامیاب استاذ کی صفات:

تعلیم وتدریس ایک شریف اور قابل احترام فن ہے، جس کے لیے کچھ شرائط اور آداب ہیں، جن کا جاننا اور ان کی عملی مشق کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے ہر فن کو سیکھنے کے لیے اس کی عملی مشق ضروری ہوتی ہے۔

فنِ تدریس کے لیے ذوق، فطری صلاحیت، اور پھر اسے حاصل کرنے کے لیے توجہ، محنت اور مشقت کی ضرورت ہے؛ تاکہ اسے سیکھنے والا ایک معلم کامل بن کر نکلے، اور اس میں ایک ''کامیاب استاذ'' کی صفات اور خصائص موجود ہوں، اور جب وہ تدریس کے میدان میں قدم رکھے تو طلبہ اس سے مستفید ہوں، اور اس کے تجربہ میں اضافہ ہوتا رہے، اور وہ خود علمی اور روحانی لذت محسوس کرے۔

تعلیم وتدریس ایک مقدس منصب ہے اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ صفات میں سے ایک صفت اور فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ ہے، ارشاد باری ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ. (آل عمران ١٩٤)

لہذا جو عالمِ دین، قرآن کریم یا کسی شرعی علم کی تدریس کا کام سرانجام دے رہا ہے، وہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتا ہے، لہذا اسے یہ جاننا چاہیے کہ وہ ایک سعادت مند انسان ہے، اور اسے یہ سعادت مندی مبارک ہو، ان شرعی علوم میں ایک علم ''عربی زبان'' بھی ہے، جو قرآن کریم کی زبان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور شریعت اسلامیہ کی زبان ہے، چونکہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ استاذ کے

اثرات شاگرد پر پڑتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے لیے معلم اور مربی بنا کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت خود فرمائی: (وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ،(النساء: ١١٣) اور خوب تربیت فرمائی (وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ، (القلم: ٤) اس لیے آپ ایک اعلیٰ اور کامل معلم تھے، ایسا باکمال معلم نہ آپ سے پہلے کسی نے دیکھا اور نہ آپ کے بعد کسی نے دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات میں کمال علم، عظیم حکمت، اعلیٰ اخلاق، شاگردوں کے ساتھ شفقت اور رحمت، ان کی تعلیم وتربیت کے لیے نہایت عمدہ اور مفید اسالیب کا استعمال، اور ان کی خبر گیری جیسے صفات اپنے کمال کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

اس لیے جو معلم اور استاذ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بننا چاہے اور فن تدریس میں کمال تک پہنچنے کا خواہشمند ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وکمالات، جو اس میدان سے متعلق ہیں معلوم کرے، اور پھر ان صفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے، ارشاد باری ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:٢١)

اب میں اختصار کے ساتھ چند ایسی صفات کا ذکر کروں گا جو ایک کامیاب استاد اور مدرس کے لیے ضروری ہیں، اور ان کی مثالوں کی طرف اشارہ کرتا جاؤں گا۔

(افادات: حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم)

(۱) علم میں کمال:

’’کامیاب استاذ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ امکانی حد تک علم میں کمال رکھتا ہو، خصوصاً اُس مضمون اور فن میں جس کے پڑھانے کی اس پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے؛ کیوں کہ استاذ کو جس مضمون میں جتنی مہارت اور دست رَس ہوگی اتنا ہی وہ طلبہ کو فائدہ پہنچا سکے گا، لہٰذا متعلق مضمون میں کمال حاصل کرنے کے لیے استاذ کو چاہیے کہ وہ اس مضمون کی بنیادی کتابیں ہمیشہ اپنے زیر مطالعہ رکھے اور جو کتاب اسے پڑھانی ہے

اسے بار بار دیکھے، اور دوران مطالعہ اگر کسی عبارت یا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں دقت پیش آئے تو اپنے استاذ سے مراجعت کرے اور اگر اپنا استاذ نہ ہو تو اس مضمون کے کسی ماہر اُستاذ سے رجوع کرے، اور اُس سے پوچھے اور اس کے ساتھ مذاکرہ کرے، اور اس میں شرم محسوس نہ کرے، کیوں کہ علم حاصل کرنے میں شرم نہیں۔

(۲) فصاحت وبلاغت:

ایک ’’کامیاب استاذ‘‘ کے لیے فصیح وبلیغ ہونا ضروری ہے، لہٰذا جس زبان میں وہ طلبہ کو پڑھا رہا ہے، اس پر اُسے دست رَس حاصل ہونی چاہیے؛ تاکہ وہ مافی الضمیر اور کتاب کے مضمون کو فصیح وبلیغ انداز میں طلبہ کے سامنے پیش کر سکے اور ایک معمولی صلاحیت رکھنے والا طالب علم بھی اسے سمجھ سکے اور دورانِ تدریس وہ زبان استعمال کرے جو سامنے بیٹھنے والے طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق ہو، نہ اس سے اونچی جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو اور نہ اتنی نیچی جو عوامی سطح سے اتر آئے۔

گفتگو میں ایک ربط اور ایک ترتیب ہو، ٹھہر ٹھہر کر بولے، جلدی نہ کرے، تاکہ سننے والا اس کے ہر جملہ کو سنے اور سمجھ جائے اور اگر مضمون ایسا ہو جس میں جملوں کو دہرانے اور بار بار کہنے کی ضرورت ہے تو انہیں بار بار دہرائے، خصوصاً جب عربی زبان کا مضمون ہو۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بحیثیت معلم کامل آپ کی صفات بیان کرتے ہوئے اندازِ گفتگو کے بارے میں فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لا يَسْرد الكلامَ كَسَرْدِكم، ولكن اذا تكلّم،تكلّم بكلام فَصْلٍ يَحفَظُه مَنْ سَمِعَهٗ . (الفقيه والمتفه، الخطيب ٢/٢٤١)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے، لیکن آپ جب گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے، جو بھی اسے سنتا وہ اسے یاد کر لیتا۔

اور حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

أنه كان اذا تكلّم بكلمةأعادَها ثلاثًا حتى تُفهَمَ عنه. (صحيح بخاری،ج:۱/۱۲۹)
یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو بوقت ضرورت اسے تین بار دہراتے، تاکہ سننے والے اسے اچھی طرح سمجھ جائیں۔ (تحفۃ المدرسین:۳۲ تا ۳۷)

(۳) اسالیب اور اندازِ تعلیم:

کامیاب استاذ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ تدریس کے مختلف اسالیب اور انداز سے واقف ہو، اور یہ جانتا ہو کہ کس فن کو کس طرح پڑھایا جاتا ہے، اور خصوصاً اس فن کو جسے وہ پڑھا رہا ہے اور یہ بھی جانتا ہو کہ مضمون یا طلبہ کے بدلنے سے اسلوب کس طرح بدلا جاتا ہے۔ (عربی زبان غیر عرب کو آپ کیسے پڑھائیں)

ابتدائی تعلیم کے لیے ماہر مدرس کی ضرورت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میزان الصرف پڑھانے والا بھی عالم معتبر ہی ہونا چاہیے، یہ غلط ہے کہ ابتدائی کتابوں کے واسطے معمولی آدمی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میزان میں کیا رکھا ہے، میں کہتا ہوں ابتدائی تعلیم کے لیے بڑی قابلیت کی ضرورت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت، ج:۱۴)

محض زیادتی تنخواہ کے لیے ترک ملازمت ناشکری ہے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:
ایک جگہ کی تھوڑی تنخواہ کی ملازمت کو محض دوسری جگہ کی زیادتی کی وجہ سے چھوڑنا جب کہ اس قلیل تنخواہ میں گزر بھی ہو جاتا ہو، خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے، جب میں کانپور میں تھا تو ایک جگہ سو روپیہ کی تنخواہ پر مجھے بلایا گیا، اس وقت مجھے کانپور میں چالیس روپے ملتے تھے، میں نے جواب لکھ دیا کہ جو شخص ایک جگہ کام کر رہا ہے اس کا وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہے جو شخص بے کار ہو اس کو بلا کر آپ رکھیں؛ تاکہ اس کی حاجت رفع

ہو اور اگر میں آپ کے یہاں آ بھی جاؤں تو آپ کو میرے اوپر اعتماد نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ جو شخص زیادتی کی وجہ سے آپ کے یہاں آیا ہے اگر اس کو اس سے کہیں زیادہ ملیں گے تو وہ وہاں چلا جائے گا۔ (حسن العزیز، ج:۲ ص:۱۲۵)

شاگردوں سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرنا

حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی تحریر فرماتے ہیں کہ:
''طالب علم کی سعادت تو اسی میں ہے کہ اپنے استاذ کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے، لیکن خود استاذ کو اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، اور بغیر کسی مجبوری کے اپنا ذاتی کام اس سے نہ لے، اور اگر بہ مجبوری کبھی کوئی خدمت لے تو کسی طرح اس کی مکافات کر دے، نیز اس کا لحاظ رکھے کہ اس قسم کا کام اس سے نہ لے جس کو وہ سہار نہ کر سکے، یا اس میں اس کے سبق یا تکرار وغیرہ کا نقصان ہوتا ہو، اس لیے کہ جس مقصد کے لیے اس نے وطن چھوڑا ہے جب اس میں حرج واقع ہوگا تو بددلی پیدا ہوگی اور اخلاص کے ساتھ وہ ہرگز کام نہ کرے گا''۔ (آداب المعلمین:۴۶)

اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالیں:

حضرت شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن صاحب، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) اپنے کپڑے خود دھولیا کرتے تھے۔
حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کو مظاہر علوم کے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ اپنا کھانا تک طالب علم سے نہیں منگواتے تھے، خود ہی تشریف لا کر لے جاتے۔
ہمارے مدارس کے اساتذہ کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، کم از کم اپنا ہی ذاتی کام خود کر لیا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دن رات پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود دست مبارک سے فرمایا کرتے تھے، بکریوں کا دودھ دوہ لیتے، پھٹا کپڑا خود سی لیتے، نعلین مبارک ٹوٹ جاتیں تو اپنے ہاتھ سے

گانٹھ لیتے، اپنے کام کے لیے دوسروں کو تکلیف نہ دیتے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دس برس میں آپ کی خدمت میں رہا، اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نے اس قدر نہیں کی جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کام کردیے۔ (آداب المعلمین: ۴۸)

مدارس اسلامیہ کا نظام تربیت

مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت:

مدارس میں دو چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ایک تعلیم کی کہ جس سے علم پہنچے اور دوسری تربیت کی کہ جس سے اخلاق درست ہوں، اگر تعلیم محض رہ گئی تو علم آجائے گا اور اخلاق نہیں آئیں گے، تو وہ علم وبال جان بن جائے گا، اور اگر اخلاق تو درست ہوگئے، لیکن علم نہ آیا تو جاہلانہ افعال سرزد ہوں گے۔ اس سے منکرات وبدعات سرزد ہوں گے اور یہ دونوں صورتیں تباہی کی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ علم واخلاق دونوں جب تک جمع نہ ہوں تو کام چلنے والا نہیں ہے۔ (جواہر حکمت: ۱۸۴)

طلبہ کے لیے ضروری دستور العمل:

اس بارے میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ کی گراں قدر تعلیمات درج ذیل ہیں:

۱۔ طلبہ کرام کو چاہیے کہ اساتذہ کے ساتھ حسن ظن رکھیں، اگر کوئی استاذ کسی طالب علم کے ساتھ خاص برتاؤ کیا کرے تو یہ سمجھ لے کہ وہ صاحب اسی لائق ہیں اور میں اسی لائق ہوں، یا میرے ساتھ یہی برتاؤ مصلحت ہے اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ مصلحت ہے، یا یوں سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ پر ان کا حساب، مجھے بدگمانی سے کیا نفع ہوگا، میں ان کے فیوض وبرکات سے محروم رہوں گا اور آخرت میں بدگمانی کے وبال میں گرفتار رہوں گا اور مصلحت میں زیادہ غور وخوض نہ کرے، بس اپنے دل

میں یہ سمجھ لے کہ ہوگی کوئی مصلحت، یہ طریقہ سرمایۂ راحتِ دارین ہے۔

۲۔ استاذ کی روک ٹوک اگر پڑھنے میں ہو تو اس کو برا نہ سمجھے اور نہ چہرے پر شکن لائے، نہ ملال ظاہر کرے، اس لیے کہ اس سے استاذ کے قلب میں انقباض پیدا ہوجائے گا اور دروازۂ نفع کا بند ہوجائے گا، کیونکہ یہ موقوف ہے انشراح دل اور مناسبت پر اور صورت مذکورہ میں دونوں باتیں نہیں (اسی طرح مرید کو اپنے مرشد کے معاملہ میں سمجھنا چاہیے)

۳۔ طالب علم کو چاہیے کہ اگر اساتذہ کی بے ادبی یا نافرمانی یا ایذا رسانی ہوجائے فوراً نہایت نیاز وعجز سے معافی چاہے اور ندامت ظاہر کرے۔

۴۔ طلبہ کو چاہیے کہ اپنے اساتذہ اور بڑوں کے سامنے ادب سے رہیں، نہ زیادہ ہنسیں نہ زیادہ بولیں، نہ ادھر ادھر دیکھیں، ایسا رہے جیسے وہ شخص رہتا ہے جس کے سر پر پرندہ بیٹھ جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہی رہتے ہیں۔ (مجالس ابرار: ۲۳۰ تا ۲۳۷ ملخصاً)

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق فرماتے ہیں:

۵۔ پڑھنے کے زمانہ میں وقت، صحت اور فراغت کو غنیمت سمجھے، کیوں کہ یہ چیزیں نہایت بے اعتبار ہیں، اگر یہ موقع کھیل کود میں صرف کردیا تو بعد کو موقع نہ ملے گا اور کف افسوس ملنا پڑے گا۔

۶۔ طالب علم کو عموماً اور طالب دین کو خصوصاً گناہوں سے عموماً اور شہوت کے گناہوں سے خصوصاً سخت پرہیز کرنا چاہیے، کیوں کہ گناہوں سے تمام اعضاء عموماً دل ودماغ خصوصاً بہت ضعیف ہوجاتے ہیں، اور طالب علم کو زیادہ ضرورت انہی اعضا کے درست رہنے کی ہے، کیوں کہ اگر یہ اعضاء ضعیف ہوگئے تو نہ پڑھ سکے گا اور نہ پڑھا سکے گا اور نہ پڑھا ہوا یاد رکھ سکے گا۔

۷۔ طالب علم کو بڑی ضرورت فراغت قلب کی ہے، یعنی قلب کا کسی چیز سے یا کسی شخص سے متعلق نہ ہونا یعنی حقہ پان تمباکو وغیرہ کا عادی نہ بنے اور نہ کسی طالب علم سے دوستی پیدا کرے کہ جس سے کسی کو موقع بدگمانی کا ہو اور نہ دشمنی پیدا کرے

کہ اس سے لڑنے جھگڑنے میں عاقبت خراب ہو۔

۸۔ طالب علم کو چاہیے کہ بعد فارغ ہونے کے کسی اللہ والے کی خدمت میں رہ کر کچھ دنوں اصلاح ظاہر و باطن کرے، تب معلّمی کرے تاکہ خود گناہ ظاہر و باطن سے اجتناب کرے اور اس کا اثر شاگردوں پر پڑے۔

۹۔ پڑھنے میں نیت خدمت دین اور رضائے خداوندی رکھے اور عزت و جاہ دنیوی کی نیت ہرگز نہ کرے، اچھی نیت سے اگر پڑھے گا تو زمانہ طالب علمی میں اگر مرجائے گا تو شہید ہوگا اور قیامت میں علماء کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اور دن رات کی جو محنت کی، دماغ وغیرہ خرچ کیا ہے اور پڑھا ہے سب ان شاء اللہ تعالیٰ نامہ اعمال میں دیکھے گا اور دوسری نیت سے ان سب باتوں سے محروم رہے گا اور مستحق اور مورد عتاب خداوندی ہوگا، نعوذ باللہ من ذلک۔

۱۰۔ طلبہ کو چاہیے کہ اپنا شوق اور طلب اور محنت استاذ کو دکھائیں، استاذ خود مہربان ہوجائے گا اور ان شاء اللہ پوری توجہ کرے گا۔

۱۱۔ طالب علموں کو چاہیے کہ جس مدرسہ میں جس مدرس سے پڑھنا چاہیں پہلے وہاں کے مدرسہ اور مدرس کے قوانین دریافت کرکے اپنے ذہن میں خوب غور کرلیں کہ ان قوانین کی پابندی مجھ سے ہوسکے گی یا نہیں، اگر نہیں ہوسکتی تو پھر کوئی بات ہی نہیں، اپنے گھر بیٹھے رہیں، اگر ہوسکتی ہے تو خوب پختہ ہوکر داخل ہوں اور ان قوانین کی پابندی کریں، اور علم حاصل کریں، پھر وہاں سے کہیں دوسری جگہ نہ جائیں ''یک در گیر محکم گیر'' پر عمل کریں اور یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں نہ جائیں۔

(مجالس ابرار: ۲۲۷/تا۲۳۴/ملخصاً)

طالب علم کا نصب العین:

طالب علم کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے جو ہدایات دے کر بھیجا تھا ان کی تفصیلات معلوم کریں؛ تاکہ اپنی زندگی ان کی زندگی کے

موافق بنائیں، کیونکہ رنج وخوشی دونوں ہی قسم کے حالات پیش آتے ہیں، طالب علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان حالات میں میرا نصب العین کیا ہوگا، وسوسے تو آتے ہی ہیں، ان کا علاج بس یہی ہے کہ ان کی طرف توجہ نہ کی جائے، تسبیحات جس قدر دل لگا کر ادا کی جائے گی اسی قدر نفع ہوگا، طالب علم کو یہ نیت کرنی چاہیے کہ اللہ کے بتائے ہوئے قانون کو معلوم کریں کہ وہ کن باتوں سے ناراض ہوتے ہیں، اور کن باتوں سے راضی ہوتا ہے، راضی کرنے والی باتوں پر عمل کریں، ناراض کرنے والی باتوں سے پرہیز کریں، اللہ تعالیٰ توفیق دے آپ کو بھی اور مجھے بھی۔ (تحفۃ المدارس: ۲/۵۵۱)

طالب علم کا نصاب:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''طالب علم کے لیے سب سے پہلے جو چیز واجب ہے وہ تصحیح نیت ہے، یعنی علم کے حاصل کرنے میں مقصود صرف اللہ کی رضا ہونی چاہیے، اگر مدرس بنے تو بھی پیسوں کی نیت نہ کرے، بلکہ اشاعت علوم کو اپنا مقصد سمجھنا چاہیے اور تنخواہ مل جائے تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھنا چاہیے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ اغراض دنیا کی نیت سے علم حاصل کرنے سے بہت ہی زیادہ احتراز کرنا چاہیے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص علم دین کو دنیا کی غرض سے حاصل کرنا چاہے اس کو جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی، حماد بن سلمہؒ کا مقولہ ہے: ''جو حدیث پاک کو غیر اللہ کے لیے پڑھے وہ اللہ کے ساتھ مکر کرتا ہے، اللہ جل شانہ سے کثرت سے توفیق اور ''اعانت علی الصواب والسداد'' کی دعاء کرتا رہے، اور اخلاق حمیدہ اپنے میں پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کرتا رہے اور اس کے بعد انتہائی انہماک سے طلب علم میں مشغول ہو، کسی دوسری طرف ذرا بھی توجہ نہ کرے''۔

یحییٰ بن کثیر کا مقولہ ہے: ''بدن کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جاسکتا''۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''وہ شخص کامیاب نہیں ہے جو علم کو کاہلی اور لاپروائی سے حاصل کرے، بلکہ جو شخص نفس کی ذلت اور معاش کی تنگی کے

ساتھ علم حاصل کرے گا وہ کامیاب ہوگا''۔

اور طالب علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے استاذوں کا نہایت احترام کرے۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم استاذ سے ایسا ڈرتے تھے جیسے لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں بھی یہ حکم ہے کہ جن سے علم حاصل کرو ان سے تواضع سے پیش آؤ۔

اپنے شیخ کو سب سے فائق سمجھے، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقولہ ہے:

''جو شخص اپنے استاذ کا حق نہیں سمجھتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ استاذ کی رضا کا ہر وقت خیال رکھے، اس کی ناراضگی سے پرہیز کرے، اتنی دیر اس کے پاس بیٹھے بھی نہیں جس سے اس کو گراں ہوں، استاذ سے اپنے مشاغل اور جو پڑھنا ہے اس کے بارے میں خاص طور سے مشورہ کرتا رہے، اس سے نہایت احتراز کرنا چاہیے کہ شرم اور کبر کی وجہ سے اپنے ہم عمر یا اپنے سے عمر میں چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں پس وپیش کرے''۔

اصمعی کہتے ہیں: ''جو علم حاصل کرنے کی ذلت نہیں برداشت کرے گا وہ عمر بھر کی جہل سے ذلت برداشت کرے گا''۔

یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ کی سختی کا تحمل و برداشت کرے، یہ نہایت اختصار سے مقدمۂ اوجز سے چند اصول نقل کیے گئے ہیں، اور یہ تو نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرب ہے کہ استاذ کی بے حرمتی کرنے والا علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے، اور والدین کی بے حرمتی کرنے والا روزی سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے، لوگ آج کل بہت ہی بیروزگاری اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہیں، لیکن وہ غور کریں تو اپنی جوانی کے زمانہ میں والدین میں سے کسی کی بے حرمتی کی ہوگی، مجھے اس کا بہت تجربہ ہے۔ محدثین اپنے استاذ کی جلالت شان پر بہت ہی زور دیتے ہیں۔ (آپ بیتی)

نائبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایک شخص کسی صاحب کے یہاں بہ تقریب شادی مہمان آئے ہوئے تھے، انہوں

نے صاحب تقریب کی طرف سے آکر عرض کیا کہ حضور کی بھی دعوت ہے، طلبہ کی بھی فرمایا کہ میں تقریبات میں کسی کے یہاں شریک نہیں ہوتا۔ رہے طالب علم سو ان کو میں کسی کے یہاں جانے نہیں دیتا، اگر کوئی دعوت کرتا ہے تو کھانا یہیں پہنچا دے تو لے لیا جاتا ہے ورنہ دروازہ پر جا کر کھانے میں طالب علموں کی ذلت ہوتی ہے، اگر عزت کے ساتھ خود کھانا یہاں بھیج دیا جائے تو ان کو دے دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن کے یہاں شادی ہے وہ کون ہیں، وہ آئیں گے تو ان سے گفتگو کروں گا۔ دوسرے یہ کہ عین کھانے کے وقت اطلاع کا طریقہ نہیں، یہی علامت اس کی ہے کہ ان کو طلبہ سے محبت نہیں، اگر محبت تھی جیسے برادری کو صبح کے وقت اطلاع کی تھی ان کو بھی اسی وقت کی ہوتی، انہیں تو صبح اطلاع کی اور ان غریبوں کو شام کو اطلاع کرنے آئے ہیں۔

بس یہی وجہ ہے کہ ان کو فضول بے کار سمجھا گیا، سو ہمارے یہاں کے طلبہ گو غریب ہیں، لیکن ایسے گرے پڑے نہیں، یہ کسی کے بھروسہ یہاں نہیں پڑے ہوئے، خدا کے بھروسہ پر ہیں۔

اب آپ ہی انصاف کر لیجیے یہ وقت ہے دعوت کا؟ اور جن کی دعوت ہے ان کی طرف سے یہ سوال ہے کہ کیا جو وقت کھانے کا ہو اسی وقت دعوت کا کہا کرتے ہیں۔ اس پر وہ صاحب چپ ہوئے۔ فرمایا بس اس کا جواب آپ کے پاس نہیں، یہ ان کے ذلیل سمجھنے کی نشانی ہے، بس یہ سمجھا گیا کہ غریب ہیں، جس وقت کہا جائے گا فوراً آمادہ ہو جائیں گے، اس پر ان صاحب نے کہا کہ یہ درست ہے، مگر ﷺ یہیں تک کہنے پائے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب درست ہے درست کے بعد مگر نہیں ہوسکتا۔ جب ایک بات مان لی پھر کیا، میرے تخیل کا رد ہو جائے گا۔ پھر عام خطاب کر کے فرمایا کہ جناب دیوبند میں البتہ طلبہ کی بہت عزت کرتے ہیں، ساری تقریبوں میں خود برادری پیچھے کھاتی ہے، طالب علم کو پہلے کھلایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں قانون مقرر کیا ہے کہ کسی کے دروازہ پر طالب علم کھانے نہ جائیں گے، جسے کھلانا ہو کھانا بھیج دے، قانون

مقرر کرنا اس لیے ہے کہ طالب علموں کو ذلیل سمجھتے ہیں، کھلی نشانی ذلیل سمجھنے کی آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہی باتیں افسوس کے قابل ہیں، طالب علموں نے کیا قصور کیا ہے جو یہ قدر ان کی کی جاتی ہے، یہ لوگ نائب رسول ہیں، کیا یہی رسول کی قدر ہوتی ہے؟ جب رسول کی یہ قدر نہیں تو نائب کی کیوں یہ قدر ہے؟ (العلم والعلماء: ۲۵۹، ۲۶۰)

بچوں کی تربیت کا طریقہ:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک اصول بیان فرمایا کرتے تھے جو اگرچہ کلی اصول تو نہیں ہے، اس لیے کہ حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر اس اصول پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت کوئی شخص غلط کام کر رہا ہو، ٹھیک اس وقت میں اس کو سزا دینا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ وقت پر ٹوکنے سے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے، اس لیے بعد میں اس کو سمجھا دو، یا سزا دینی ہو تو سزا دے دو۔ دوسرے یہ کہ ہر ہر کام میں بار بار ٹوکتے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ ایک مرتبہ بٹھا کر سمجھا دو کہ فلاں وقت تم نے یہ غلط کام کیا، فلاں وقت یہ غلط کیا اور پھر ایک مرتبہ جو سزا دینا ہے دے دو۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ ہر انسان کی جبلت میں داخل ہے اور ایسا جذبہ ہے کہ جب ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو بعض اوقات انسان اس میں بے قابو ہو جاتا ہے اور پھر حدود پر قائم رہنا ممکن نہیں رہتا، اس لیے اس کا بہترین علاج وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانویؒ نے تجویز فرمایا۔ (اصلاحی خطبات، ج:۴، ص:۴۳)

بچوں سے متعلق اصلاحی امور:

(الف) تمام بچوں کو آہستہ آہستہ شرعی اور عمدہ باتیں بتائی جائیں، اور نماز باجماعت کا تو پوری طرح پابند بنا دیا جائے۔

(ب) ان کو شوق دلایا جائے کہ اعمال میں خلوص، صداقت اور نیت میں عمدگی پیدا کریں کہ ان باتوں سے بھی حفظ میں بڑی مدد ملتی ہے۔

(ج) ان کو اس بات کی بھی عادت ڈلوائیں کہ ہر معاملہ میں احتیاط سے کام لیا کریں۔

(د) اگر کسی بچے میں کوئی شرافت یا علمی کمال پائیں تو اس پر اس کو شاباشی دیں اور تعریف بھی کریں، بشرطیکہ اس سے تکبر اور عجب کی بلا میں پھنسنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(ھ) ہو سکے تو اپنی حیثیت کے موافق ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی امداد بھی کیا کریں۔

(و) سب بچوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں اور ان کی تعلیم میں اس قدر حریص رہیں، کہ اپنے ذاتی کام جو غیر ضروری ہوں ان سے بھی ان کی تعلیم کو بڑھ کر تصور کریں (تحفۂ معلم)

سبق یاد نہ ہونے کی شکایت کا بہترین علاج:

ایک طالب علم نے ایک رقعہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا جس میں سبق یاد نہ ہونے کی شکایت لکھی تھی کہ یاد بہت کرتا ہوں یاد نہیں ہوتا، بہت پریشان ہوں، اس پر حضرت نے اس کو قریب بلا کر ارشاد فرمایا کہ اصل چیز حق تعالیٰ شانہٗ کی رضامندی وخوشنودی ہے، پڑھنے پڑھانے اور سب عبادات کا حاصل یہی ہے، اور وہ ان شاء اللہ حاصل ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتے، جب انسان قرآن پاک یاد کرتا ہے، محنت کرتا ہے اور پھر یاد نہیں ہوتا تو ثواب اس کو برابر ملتا ہے، حق تعالیٰ کی رضامندی اس کو حاصل ہوتی ہے، جو اصل مقصود ہے، اور جب اصل مقصود حاصل ہے تو پھر افسوس اور اس درجہ پریشانی کیوں ہے؟ بندہ کے اختیار کا جتنا کام تھا کیا اس پر نتیجہ مرتب کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، شیطان بندہ کو اس طرح کے وساوس میں مبتلا کر کے محروم کر دینا چاہتا ہے، وسوسہ ڈالتا ہے کہ اتنی زندگی بے کار گزر گئی، کچھ حاصل نہ ہوا، حالانکہ جب بندہ محنت کر رہا ہے، کوشش کر رہا ہے، اور اس پر اجر اور حق تعالیٰ شانہٗ کی خوشنودی مرتب ہو رہی ہے، تو زندگی بیکار کہاں ہوئی، بلکہ اس کو بیکار سمجھنا ناشکری ہے، اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے محنت کی توفیق دی اور اپنے پاک کلام کے پڑھنے اور پڑھانے میں لگایا، معاصی میں مبتلا نہیں فرمایا، شیطان ناشکری میں مبتلا کر کے محروم کر دینا چاہتا ہے، پس اس طرح کے وساوس کو ہرگز جگہ نہ دینی چاہیے، حضرت کی اس مختصر سی تقریر سے اس طالب علم کا سب قبض جاتا رہا۔ (ملفوظات محمود، ج:۲)

استاذ کی عظمت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف کی بھی تعلیم دی، چاہے وہ مجھے بیچ دے، چاہے مجھے آزاد کردے''۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں، انہیں فقہی مسائل میں خنزیر کے بارے میں تحقیق کرنی تھی کہ اس کی نوعیت کیا ہے، ایک مسئلہ میں خنزیر کا ذکر کیا تو اس کی تحقیق کرنی تھی، اس کی تحقیق بھنگی سے زیادہ کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتی، وہی خنزیر پالتے ہیں، تو حضرت رحمہ اللہ کے گھر کا بھنگی آیا، اس سے پوچھا فلاں بات خنزیر کے بارے میں کس طرح سے ہے؟ اس نے کہا صاحب! یہ ہے۔ اس وقت یہ کیفیت تھی کہ جب وہ کمانے آتا اگر بیٹھے ہوتے تھے تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے، اس کو ہدایا بھیجتے تھے، اس کی خدمت کرتے تھے اور فرماتے تھے:

''فلاں مسئلے کی تحقیق مجھے اس بھنگی سے ہوئی، وہ بمنزلہ استاذ کے بن گیا عمر بھر اس کا ادب کیا''۔

تو اسلام نے استاذ کی عظمت یہ بتلائی ہے کہ اگر ایک حرف سکھلا دیا تو تمہیں آنکھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج:۲، ص:۲۰۴)

علمی احسان:

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی کسی کو چار پیسے دیتا ہے تو آدمی اس کا احسان مانتا ہے، اولاد کو آدمی وصیت کرجاتا ہے کہ فلاں آدمی نے میری خدمت کی تھی، تم اس کے نیازمند رہنا، چار پیسے کا احسان مانتا ہے، تو علم کا ایک مسئلہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، علم اللہ کی صفت ہے، اس سے زیادہ باعظمت چیز کون سی

ہوسکتی ہے، تو کوئی کسی کو علم سکھائے اور اس کی عظمت ضروری نہ ہو؟ ایسا محسن کوئی نہیں جو آدمی کو ایک مسئلہ بھی بتلا دے، اس نے دنیا و مافیہا اور آخرت کا راستہ درست کردیا، پیسے سے اگر کوئی کام نکلے گا تو دنیا کا نکلے گا، لیکن علم سے تو آخرت میں، قبر و برزخ میں، حشر میں اور دنیا میں بھی کام نکلے گا، ہر جگہ علم کا سکہ چلتا ہے، وہاں آپ کے یہ سونے چاندی کے سکے نہیں چلیں گے، مگر مسائل کا سکہ چلے گا، حتی کہ جنت میں بھی جا کر مسائل کی ضرورت رہے گی، وہاں بھی آپ علم کے محتاج ہوں گے۔

تو جو شخص آپ کے ہاتھ میں علم کا سکہ دے اس سے بڑھ کر کون محسن ہے، جب چار پیسے کا احسان کرنے والے کا آپ احسان مانتے ہیں، تو ایک مسئلہ بتلانے والے کا احسان کیوں نہیں مانیں گے؟ اس نے آپ کو زیادہ سے زیادہ بڑی دولت دی ہے، علم کی دولت چاندی اور سونے کی دولت سے بدرجہا بہتر ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج:۲، ص:۲۰۴/۲۰۵)

طالب علموں سے محبت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے طالب علموں سے زیادہ محبت ہے، مریدوں سے اتنی نہیں مجھ میں طالب علمانہ شان غالب ہے، میں اپنے عیوب طالب علموں سے نہیں چھپاتا، لیکن یہ نہیں چاہتا کہ مریدوں پر میرے عیوب ظاہر ہوں، کیوں کہ میری مریدی کا علاقۂ محبت ذرا سی بات سے قطع ہوجاتا ہے، کہ مبنیٰ کا اثر عوام میں خیال ہے، اور وہ بدل گیا، اور طالب علمی کا علاقہ محبت قطعاً ختم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ علم کی وجہ سے قائم ہے، اطلاع عیوب کے بعد بھی علم تو اس شاگرد کا باقی رہتا ہے، اور علم ہونے تک محبت باقی ہے۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

اگر استاذ کسی بات پر ناراض ہو تو ان کو خوش کرنا چاہیے:

جس طالب علم نے محض محنت ہی کی ہو، مگر اساتذہ کو راضی نہ رکھا ہو تجربہ کرلیا جاوے کہ اس کو حقیقی علم ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ نیز فہم سلیم اور تفقہ فی الدین اس کو حاصل ہوتا

ہے، جس نے توجہ سے پڑھا ہو اور اساتذہ کو راضی رکھا ہو، تجربہ سے معلوم ہوا کہ استاذ کا دل جس قدر خوش رکھا جائے گا، اس قدر علم میں برکت ہوگی۔ (الافاضات الیومیہ)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ تورات کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نسخہ تورات کا ہے، آپ سن کر خاموش ہو رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! رودیں تجھ کو رونے والیاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو تو دیکھ کہ ناخوشی کے آثار پائے جاتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی فرمایا پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غصے سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غصہ سے''۔ (دارمی)

اس حدیث سے ایک حق استاذ کا یہ ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔ (اصلاح انقلاب)

دوسرا حق شاگرد کا ثابت ہوا کہ اگر اس سے کوئی امر نامناسب صادر ہو تو اس کو متنبہ کرنا ضروری ہے، اور اس سے اس کی اصلاح ہوتی ہے، تیسرا حق شریک علم کا ثابت ہوا کہ اس کی غلطی پر جس پر وہ خود مطلع نہ ہوا، خیرخواہی سے مطلع کردے کہ وہ اس کا تدارک کرے اور وہ بھی اس کو قبول کرے جیسا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے واقعہ ہوا۔ (تحفۃ المدارس: ۲/۴۵۷)

اہل علم اور استاذ کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آنا چاہیے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کے لیے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ تواضع اور ادب سے پیش آؤ''۔ (ترغیب وترہیب)

اس حدیث میں ترغیب علم، اختیار تواضع اہل علم کے ساتھ، استاذ کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آنے کا صریح امر ہے۔ (تحفۃ المدارس: ۲/۴۵۸)

استاذ کا حق پورا نہ کرنے کے متعلق ایک عجیب حکایت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ کسی بہت بڑے عالم کی حکایت لکھی دیکھی ہے کہ ان کے استاذ ان کے وطن کی طرف اتفاق سے آئے تھے، سو سب شاگرد ان کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئے اور یہ عالم بوجہ اس عذر کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے حاضر نہ ہوسکے، چونکہ ایسی مشغولی نہ تھی کہ حاضر ہونے سے ضروری خدمت میں کوئی حرج واقع ہوتا، کسی قدر سستی سے بھی کام لیا، استاذ کو یہ کم توجہی ناگوار ہوئی اور یہ فرمایا کہ بہ برکت خدمتِ والدہ کے ان کی عمر طویل ہوگی، مگر ہمارے حقوق میں کمی کرنے کے سبب ان کے علم میں برکت نہ ہوگی، چناں چہ عمر تو بہت ہوئی؛ لیکن تمام عمر گزر گئی، نشر علم کے اسباب ان کے لیے جمع نہ ہوئے، کچھ ایسے اتفاقات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے کہ کبھی شہر میں رہنا ہی نصیب نہ ہوا، ہمیشہ گاؤں میں رہتے تھے، جہاں نہ درس وتدریس کا موقع ملا، نہ دوسرے اشاعت علم کے طریقوں کا۔ (اصلاح انقلاب امت: ۲۸۳)

غرض کہ استاذ کے تکدر سے علم کی برکت جاتی رہتی ہے، اور اس کی خوشی سے برکت ہوتی ہے، پس جو حقوق واجب نہیں ہیں ان کی رعایت کرنے سے اپنا یہ نفع ہے۔

اور یہ غور کرنے کے قابل بات ہے کہ اگر استاذ بھی اسی قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلائے، ایک منٹ زیادہ نہ دے، تقریر ایک بار سے زیادہ ہرگز نہ کرے، تو کیا اس طرح اس کو علم حاصل ہوسکتا ہے؟ وہ بے چارہ اس کی تعلیم وتفہیم میں واقعی خون جگر کھاتا ہے تو اس کو علم حاصل ہوسکتا ہے، وہ بے چارہ اس کی تعلیم وتفہیم میں بڑھے یہ تو نرمی بے حسی وقساوت ہے۔ (تحفۃ المدارس: ۲/۴۵۹)

اساتذہ کے بعض آداب وحقوق:

استاذ کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھے، جس سے تواضع اور خشوع وسکون مترشح ہوتا ہو، اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے، کسی ساتھی کی طرف نہ دیکھے، نہ اشارہ کرے، نہ مسکرائے، بغیر مجبوری دائیں، بائیں، اوپر، نیچے نہ دیکھے، کوئی شورسن کر مضطرب نہ ہو، اور اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہو، استاذ کے پاس بیٹھا ہوا آستین نہ چڑھائے، ہاتھ، پیر، دامن، گھنڈی بٹن سے نہ کھیلے، داڑھی اور منہ پر ہاتھ نہ رکھے، انگلیاں نہ چٹخائے، ناک، کان، دانت نہ کریدے، زمین پر ہاتھ نہ رکھے، نہ اس پر لکیر بنائے، کاغذ، قلم وغیرہ سے فضول حرکت نہ کرے، پیچھے کو جھکا ہوا نہ بیٹھے، استاذ کی طرف پیٹھ یا پہلو نہ کرے، کسی چیز سے ٹیک نہ لگائے، تپائی وغیرہ کسی چیز پر ہاتھ ٹیک کر نہ بیٹھے، ہاتھ پر ٹیک اور سہارا لگا کر نہ بیٹھے، زیادہ بات نہ کرے، بغیر مجبوری کے نہ کھنکارے، نہ تھوکے نہ بلغم نکالے، چھینک آئے تو منہ چھپالے، جمائی لے تو منہ نہ کھلے، نہ آواز ہونے دے، اور بائیں ہاتھ کی پشت سے ڈھانک لے، استاذ کے سامنے پان کھا کر نہ آئے، اور درس میں اور بھی زیادہ خیال رکھے، حتی کہ کتاب کا ورق بھی زور سے نہ کھولے، نہ کتاب کو تپائی پر زور سے رکھے، نہ زور سے بند کرے، استاذ کے آگے نہ چلے، اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، اس کے سامنے بلند آواز سے نہ بولے، اس کی منشا معلوم کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہے، اور اس کے مطابق عمل کرے، درس میں کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو اپنا قصور فہم سمجھے، استاذ سے بدگمانی نہ کرے، استاذ اگر کسی بات پر غصہ کرے تو اس کے سامنے منہ نہ بنائے، بلکہ معذرت اور خوشامد کرے، استاذ کی بدخلقی کو سہا کرے، اس کی تندخوئی سے اس کے پاس جانا نہ چھوڑے، نہ اس کے کمال سے بداعتقاد ہو، بلکہ اس کے اقوال وافعال کی تاویل کرے، اس کی خدمت سے بلا اذن نہ جاوے، خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً، جس بات کے پوچھنے سے وہ منع کرے نہ پوچھا کرے، اس کی

مخالفت یا اس کو تنگ نہ کرے، حالت بُعد وغیبت میں بھی اس کے حقوق وآداب کا خیال رکھے، گاہ بگاہ تحفہ وتحائف سے، خط وکتابت سے اس کا دل خوش کرتا رہے، غرض، استاذ کی تعظیم اور ادب واحترام کا ہر موقع پر ہر طرح سے خیال رکھے۔ (افادات مسیح الامت)

خدمتِ استاذ کی برکات:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ (اکوڑہ خٹک) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ بہت تھے، مداح بھی بہت تھے، ہر شاگرد دل وجان سے نثار ہونا چاہتا تھا، مگر ان میں جو مقام شیخ العرب والعجم حضرت شیخ حسین احمد مدنیؒ کو ملا وہ تو سب سے انوکھا اور نرالا ہے، اور جتنا بھی فیض حضرت مدنیؒ کا پھیلا اس تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا، آج برصغیر میں علم حدیث کی جو خدمت ہو رہی ہے یہ سب بالواسطہ حضرت شیخ مدنیؒ کے فیوض وبرکات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ نے اپنے استاذ کے ساتھ قرب ومحبت، اخلاص وخدمت اور تعلق واختصاص کا جو مقام حاصل کرلیا تھا وہ دوسروں کو حاصل نہ ہوسکا۔ (صحبتے با اہل حق ص:۲۵۹)

ایک اور مقام پر حضرت مدنیؒ کے فیض عام رساں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یوں تو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں بڑے بڑے جبال العلم اور جامعِ کمالات تھے اور دین کے ستون قرار پائے اور ان سے دین وعلم کے چشمے جاری ہوئے؛ مگر حدیث کا جو فیض اور افادہ ہمارے استاذ ومرشد حضرت شیخ مدنیؒ کے ذریعہ ہوا، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج برصغیر اور بیرون ملک میں ہزاروں تلامذہ کے ذریعے ان کا فیض جاری ہے، حافظہ اور ذہانت میں ان جیسے اور حضرات بھی تھے؛ مگر اپنے شیخ کی محبت وجان نثاری، جو اُن میں تھی، اس کی مثال نہ تھی، عمر بھر وفا شعار، غلام اور عاشق بنے رہے، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور اس راہ میں آپ نے اپنی اولاد، بیوی،

والدین کی جدائی تک برداشت کی، ان کی وفات کی اطلاعات تک پہنچیں؛ مگر مالٹا کی جیل میں اپنے استاذ کی رفاقت ترک نہ کی، ادب ومحبت اور نیازمندی کا کوئی نمونہ نہ تھا جسے قائم نہ فرمایا، اوراسی خاص تعلق، محبت اور خدمت کے ثمرے میں اپنے شیخ کے علوم اور فیض کا مورد بنے ،تصوف وارشاد کا جو فیض جاری ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔

یہ سب ادب اور محبت اور عاشق بننے کے نتائج ہیں، اگر اساتذہ وشیوخ سے محض رسمی تعلق ہو کہ درس گاہوں میں انہیں اجیر (ملازم،نوکر) سمجھ کر رہے، کتاب ختم کی تو چلے گئے تو اس علم کی کوئی برکت نہ ہوگی، افسوس کہ آج یہ چیزیں ختم ہوتی چلی جارہی ہیں، اساتذہ وشیوخ سے رابطہ نہیں رہا، اتصال سند کی فکر نہیں رہتی ، حالانکہ انبیاء ،اولیا اور شیوخ طریقت سے اپنے متبعین، شاگرد اور مریدین کو جو بھی فیض حاصل ہوا وہ عاشق، جان نثار اور فدائی بن کر حاصل ہوا۔ (میرے حضرت میرے شیخ:۱۲۳)

ادب واحترام سے خیر وبرکت کا دروازہ کھلتا ہے:

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے کہ مجھ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، وہ اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب ومحبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا ہے۔ (اشرف السوانح)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے اساتذہ کے ادب کی برکت سے حاصل ہوا ہے، چنانچہ آپ نے اگر کسی سے فارسی کی کتاب کا بھی سبق پڑھا تھا، اس کا بھی ادب کرتے تھے، نیز آپ کا ارشاد ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ اساتذہ کی بے ادبی سے علم نہیں حاصل ہوتا، مَنْ لَا اَدَبَ لَہٗ لَا عِلْمَ لَہٗ۔

محمود غزنوی کے والد کا نام سبکتگین تھا، یہ معمولی درجہ کا سپاہی تھا، ایک دن اس کے یہاں ایک عالم مہمان ہوئے، تو اس نے اس عالم کا بہت اکرام کیا، اس کے احترام میں یہ

سات قدم پیچھے چلتا تھا، اس اکرام واحترام کا اللہ تعالیٰ نے یہ بدلہ دیا کہ بادشاہت ان کے گھر میں آئی اور سات پشتوں تک یہ بادشاہت کرتے رہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

آداب درس:

۱۔ اگر دوسرے سے سوال ہو رہا ہو تو خود کچھ نہ بولے۔

۲۔ پڑھنے میں کتاب کی عبارت کے صحیح مطلب کے سمجھنے کا خیال رکھے ،فضول سوال وجواب کے پیچھے نہ پڑے۔

۳۔ سبق تھوڑا پڑھے، مگر یاد خوب کرے اور آموختہ کی بہت نگرانی کرے تاکہ حوصلہ بڑھے اور ہمت میں قوت ہو۔

۴۔ قرآن مجید جلد جلد اس غرض سے نہ پڑھے کہ میری غلطی وغیرہ پر سننے والا مطلع نہ ہو، کیوں کہ ایسی قرأت کرنے والے پر قرآن خود لعنت کرتا ہے اور اس میں تکبر کا شبہہ ہے اور قرآن پڑھنے میں چھ باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے: نہ منہ چوڑا ہو، نہ منہ بند ہو، نہ منہ بگڑے نہ مخارج میں سختی ہو، نہ ہر حرف پر سکتہ سا ہو، نہ آواز میں لرزہ ہو۔

۵۔ اگر استاذ یا کوئی بزرگ یا اور کوئی کچھ بیان کرے اور وہ بیان صحیح ہو تو خاموش ہو کر سنے، بدن اور قلب سے متکلم کی طرف متوجہ رہے، اپنی معلومات نہ بیان کرے، اس میں تکبر و بے ادبی اور دل شکنی ہے اور یہ تینوں بری خصلتیں ہیں۔

۶۔ اگر استاذ کچھ سنادے یا استاذ کچھ تقریر کرلے یا کوئی دوسرا کچھ کلام کر رہا ہو تو توجہ متکلم کی طرف ہونا چاہیے کیوں کہ بے توجہی میں بے قدری کلام ومتکلم دونوں کی ہے۔

۷۔ عبارت پورے جملے کی ایک سانس میں پڑھے اور ترجمہ بھی ایک سانس میں کرے، کاٹ کاٹ کر نہ پڑھے اور نہ ترجمہ کاٹ کاٹ کر کرے، یہ عیب کی بات ہے، لیکن مجبوری میں رکاوٹ ہوجائے تو اور بات ہے۔

۸۔ سبق پر نشان رکھے تاکہ جلدی سے کھول لے، ایسا نہ ہو کہ تمام کتاب الٹنا پڑے،

کیوں کہ اس میں کتاب کی بے ترتیبی اور بے انتظامی ہے۔

۹۔ سبق آگے جھک کر سنائے، پیچھے تن کر نہ سنائے، اس میں بے پروائی و بے ادبی ہے۔

۱۰۔ جب کہیں جائے کسی سے کچھ بات کرے یا سبق سنائے تو ایک کام طے کرے دوسرا شروع کرے، مثلاً جب سبق پڑھ لے تب کوئی بات یا پیغام کہے۔

۱۱۔ سبق محض ذہن پر چڑھا کر استاذ کو نہ سنا دے، کیوں کہ ایسا یاد کرنا بالکل نہیں ٹھہرتا سبق خوب رٹ کر یاد کرنا چاہیے تا کہ دل پر نقش ہو جائے اور ہمیشہ یاد رہے۔

۱۲۔ سوال سمجھ کر جواب دے، بے سمجھے جواب نہ اڑانا شروع کر دے۔

۱۳۔ اگر استاذ بہت سی باتیں تعلیم کرے یا بہت سے الفاظ کی قرأت میں روک ٹوک کرے تو چند باتیں اپنے ذہن میں نوٹ کر لے۔ اگر نوٹ شدہ زیادہ ہو جائیں تو ان میں سے بھی نوٹ کرے، اور یہ بھی خیال رکھے کہ اگر کسی بزرگ کی خدمت میں جائے یا کسی عالم کے وعظ میں شریک ہو، تو وہاں بھی ان کے مضامین کا انتخاب کرے۔

۱۴۔ جن الفاظ کا ترجمہ بوجہ حیا کے نہ کر سکے ترجمہ میں وہ لفظ ہی کہہ لے اور نہ کسی سے ایسے الفاظ کا ترجمہ کرائے۔

۱۵۔ سبق ناغہ نہ کرے، اس میں بے برکتی ہوتی ہے، دل اکھڑ جاتا ہے، پڑھا ہوا بھول جاتا ہے، شوق میں کمی ہو جاتی ہے۔

۱۶۔ قرآن مجید بنا کر با قاعدہ پڑھے، اس سے قلب میں بہت نور اور صفائی ہوتی ہے، گڑ بڑ پڑھنے سے قرآن مجید لعنت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی خوش نہیں ہوتے، کیوں کہ قرآن مجید پڑھنا اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کسی سے کوئی باتیں کرے اور بدتمیزی سے باتیں کرے تو مخاطب کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور تمیز سے اگر باتیں کرے تو جی بہت خوش ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس باتمیز کو کیا انعام دے دوں اور با قاعدہ پڑھنے سے خود بھی عمر بھر لطف اٹھاتا ہے اور دوسرے بھی اور بے قاعدہ پڑھنے سے نہ خود مزہ پاتا ہے اور نہ دوسرا۔

۱۷۔ استاذ اگر علم کے متعلق باتیں کرے یا اور کوئی بات عمدہ بیان کرے تو اسے خوب توجہ سے سنے اور کسی کاغذ میں نوٹ کرے اور اسے خوب یاد کرے، اس بھروسہ پر نہ رہے کہ وہ تو میرے پاس رکھی ہوئی موجود ہے، کیوں کہ نہ معلوم تمہیں کب اور کہاں اس بات کی ضرورت پڑے تو اس کاغذ کو کہاں لیے پھروگے اور اگر گم ہو گیا تو تمہارا علم ہی گیا، اسی لیے کہا ہے کہ علم سینہ چاہیے علم سفینہ نہیں، علم کی شان تو یہ ہے کہ نہ چور چرا سکے اور نہ وراثت میں تقسیم ہو سکے۔

۱۸۔ سبق پڑھنے کے لیے جب جگہ خالی ہو تب جائے تا کہ ازدحام سے تکلیف اور انتشار نہ ہو۔

۱۹۔ طالب علم بغیر مطالعہ سبق نہ پڑھے کیوں کہ بغیر مطالعہ پڑھنے سے پڑھتے وقت جب استاد کچھ تقریر کرتا ہے تو سمجھ میں نہیں آتی، اگر سمجھ بھی لے تو جلدی یاد نہیں ہوتی اگر یاد بھی ہو جاتی ہے ٹھہرتی نہیں، اگر مطالعہ کر کے پڑھے گا تو ان آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

۲۰۔ پڑھتے وقت ادھر اُدھر نہ دیکھے۔

۲۱۔ اگر سبق میں بہت سے شریک ہوں تو ناغہ نہ کرو، بہت کوشش کرو ساتھ میں پڑھنے کی، کیونکہ اگر بعد کو طلبہ سے تکرار کر لو گے تو استاذ کی ساری تقریر کو طالب علم نہیں دہرا سکتا، اگر استاذ ہی سے پڑھو گے تو بھی مجمع میں جو مضامین استاذ کے قلب میں آئے تھے وہ نہ آئیں گے، اگر چہ استاذ کوشش بھی کرے، خلاصہ یہ کہ بہت سی باتوں سے اگر ناغہ کرو گے محروم ہو جاؤ گے۔

۲۲۔ طالب علم کو چاہیے کہ پڑھتا جائے اور مشق کرتا جائے تا کہ پڑھا ہوا خوب محفوظ رہے، اگر عربی پڑھتا ہے تو قرآن مجید میں غور کیا کرے، اگر کہیں قرآن مجید میں پڑھے ہوئے کے خلاف ملے تو قرآن مجید کی اصلاح نہ کرے، بلکہ اس پڑھی ہوئی کتاب کو قرآن کے موافق کرے، یعنی جو قرآن شریف میں ہے، اسی کو صحیح جانے۔

۲۳۔ طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی تعلیم کے وقت مسکرائے نہیں، اگر چہ مسکرانا اس وجہ

سے ہو کہ اسے اچھی بات معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یہ صورت بے ادبی اور بے قدری کی ہے۔

۲۴۔ استاذ کی تقریر میں اگر کوئی لفظ فارسی یا عربی کا ہے اوراس کے معنی نہ معلوم ہوں یا کتاب میں کوئی لفظ آیا جو مشہور ہو اوراس کا ترجمہ نہیں کرایا گیا تو استاذ سے اس کے معنی پوچھ لے، غفلت اور شرم نہ کرے کہ سب ہنسیں گے کہ ایسے مشہور لفظ کے معنی نہیں جانتا کیوں کہ اگر نہ پوچھے تو ہمیشہ جاہل رہے گا، مثل مشہور ہے، یعنی ''جہل کی شفا، سوال ہے''۔

۲۵۔ اگر مسئلے میں استاذ کی تقریر ذہن میں نہ بیٹھے تو کچھ دیر تک استفادے کے لہجہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی تقریر کرلے، اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو خاموش ہوجائے اور دل میں یہ رکھ لے کہ اس کی تحقیق کروں گا، بعد کو کتابوں سے، علماء سے تحقیق کرے اور اگر اپنی رائے صحیح ہو اور استاذ حق پسند ہو تو اس کتاب اور بڑے عالم کی تحقیق کو ان کے سامنے پیش کردے، اگر استاذ کی تقریر صحیح ہو معذرت کرے کہ آپ صحیح فرماتے تھے، میں غلطی پر تھا، استاذ کے مقابلے میں مکابرہ، مناظرہ، مجادلہ کی صورت ہرگز نہ بنائے، یعنی آنکھیں نہ چڑیں، گفتگو میں تیزی نہ ہو، پیشانی پر بل نہ ہوں، بڑوں کے مقابلے میں یہ بے ادبی ہے۔

۲۶۔ اگر استاذ کی تقریر کے وقت اپنی طرف زیادہ متوجہ کرنا چاہے شوق وطلب زیادہ پیدا کرے، کیوں کہ طالب ہی کی طرف مطلوب پہنچتا ہے۔

ہر کجا پستی ست آب آں جارود ۞ ہر کجا دردے شفا آں جارود

۲۷۔ قاعدوں کی اور مسئلوں کی تقریر آپس میں استاذ کے سامنے کرلیا کریں تاکہ قواعد محفوظ ہوں اور زبان میں گویائی آئے ورنہ زبان سے مطلب کو ادا نہ کرسکے گا۔

(مجالس ابرار: ۲۳۹ تا ۲۴۳)

درس میں بیٹھنے کے آداب:

طالب علم استاذ کے سامنے اس طرح بیٹھے جس طرح بچہ قاری کے سامنے بہت تواضع، خشوع وخضوع اور ادب کے ساتھ بیٹھتا ہے، اتنا قریب بیٹھے کہ استاذ جو کچھ بھی کہے پوری طرح سن سکے اور کوئی چیز بھی مخفی نہ رہے، نیز خاموش رہے، استاذ کے کلام کی طرف متوجہ رہے، نظریں استاذ کی جانب ہوں اور مکمل ہمہ تن گوش ہوکر بیٹھے، انتہائی تعظیم یہ ہے کہ استاذ اور طالب علم کے درمیان کمان کے برابر فاصلہ ہو، اور بلا ضرورت زیادہ قریب نہ بیٹھے، یہ بھی ادب ہے کہ استاذ کے پاس اس طرح متوجہ ہوکر بیٹھے کہ استاذ کو دوبارہ کسی بات کو دہرانا نہ پڑے۔ قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے کبھی کسی بات کو دہرانے کے لیے استاذ سے نہیں کہا، جب بھی میرے کانوں نے کوئی بات سنی تو اس کو یاد کرلیا''، یعنی اتنی توجہ سے بیٹھتے تھے کہ بات یاد بھی ہوجاتی تھی اور کوئی بات چھوٹتی بھی نہ تھی، طالب علم کے لیے اتنی توجہ سے بیٹھنا کافی ہے۔ (حصول علم کے آداب)

طلبۂ عزیز کے لیے ضروری ہدایات:

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۔ طلبۂ کرام آپس میں ایک دوسرے کی دعوت نہ کیا کریں، اس میں تعلیمی خلل اور نقصان کے علاوہ ذلت بھی ہے، چناں چہ مشاہدہ کیا گیا کہ دعوتوں کی زیرباری سے طلبہ کو اپنی بحرالرائق فروخت کرنی پڑی اور اپنا بستہ تک کسی دکان دار کے یہاں رہن رکھنا پڑا۔

۲۔ اساتذۂ کرام کی سختی اور ڈانٹ کو نعمت سمجھیں، مشہور ہے جو استاذ بہ از جور پدر (ترجمہ: استاذ کی سختی بہتر ہے باپ کی سختی سے)

۳۔ باوضو رہنے کا اہتمام کیا جائے، بالخصوص مطالعہ باوضو کیا جائے، علامہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے ایک رات میں ۱۷ر بار وضو کیا، کیوں کہ دستوں کی وجہ سے وضو ٹوٹتا

جاتا تھا،لیکن مطالعہ بدون وضوگوارا نہ کیا۔

۴۔ مطالعہ اپنے ذمہ لازم کرلیں، مطالعے کا حاصل تمییز المعلوم من المجهول ہے، یعنی اگر سب نہ سمجھ میں آئے تو نہ گھبرائیے، کم از کم اتنا تو نفع ہوگا کہ معلوم ہو جائے گا کہ اتنا حصہ سبق کا سمجھ میں آگیا اور اتنا سمجھ میں نہ آیا، پھر استاذ سے سبق پڑھتے وقت مجہول بھی معلوم ہوجائے گا، مطالعے میں بڑی برکت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔

۵۔ استاذ کا خوب ادب کرے، استاذ کا دل اگر مکدر کردیا تو پھر ایسے شاگرد کو سبق سمجھ میں نہ آئے گا، عقل سے برکت اٹھ جائے گی۔

۶۔ اپنے کمروں کے سامنے اور احاطۂ مدرسہ میں کاغذ کے ٹکڑوں کو اٹھالیا کریں، کاغذ آلۂ علم ہے، اس کا ادب ضروری ہے، نظافت وصفائی بھی دین میں مطلوب ہے۔

۷۔ چارپائی، بستر اور ظروف قاعدے سے رکھئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ہر چیز میں اعتدال اور جمال مطلوب ہے“۔

۸۔ تکبیر اولیٰ سے نماز کا اہتمام ہونا چاہیے، ایک رئیس اذان سن کر ترازو اٹھائے ہوئے تھے، فوراً رکھ دیا اور گاہک سے کہہ دیا بعد نماز تولوں گا، مسجد گئے اور اسی وقت ایک دکان پر مولوی صاحب اخبار کا مطالعہ کررہے تھے، نماز جماعت سے نہ ادا کی، ان کی وقعت اس دکان دار کے قلب سے نکل گئی حالانکہ اس نے خود بھی نماز جماعت سے نہیں ادا کی تھی، لیکن اس نے کہا کہ ہم تو عامی ہیں، یہ تو عالم ہیں، کچھ خاص ایسے ہیں جن سے عوام الناس طلبہ اور علماء سے جلد بدگمان ہوجاتے ہیں۔

۹۔ بال ہپّی (انگریزی بالوں کا اسٹائل) جیسے نہ ہوں۔

۱۰۔ پائجامے ٹخنے سے نیچے نہ ہوں۔

۱۱۔ طلبۂ کرام کا اصلی نام طالب العلم والعمل تھا، پھر تخفیف کر کے طالب علم رہ گیا، علم کا مقصد عمل ہے۔

۱۲۔ اذان سنتے ہی مسجد میں جائیے اور مسجد میں باتیں ہرگز نہ کریں، درود شریف پڑھتے رہیں، اعتکاف کی نیت کرلیں۔

۱۳۔ اذکارِ مسنونہ کو زبانی یاد کریں اور اپنے اپنے وقت پر ان دعاؤں کو پڑھ لیا کریں۔

(مجالس ابرار)

طلبۂ علوم نبوت کے آداب

حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) طالب علم کو چاہیے کہ علم کے حاصل کرنے میں کوئی فاسد نیت اور دنیوی غرض نہ ہو، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اور اپنی آخرت درست کرنے کے لیے علم دین حاصل کرے۔

(۲) طالب علم کو چاہیے کہ اپنے نفس کو رذیل عادات اور بری صفات سے پاک کرے، جھوٹ، غیبت، بہتان، سرقہ، فضول گفتگو اور بری صحبت سے اپنے کو ہمیشہ بچاتا رہے، اس لیے کہ علم دل کی عبادت ہے جو ایک باطنی شئے ہے، پس جس طرح نماز جو ظاہری اعضاء کی عبادت ہے، بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی، اسی طرح علم جو باطنی عبادت ہے بغیر طہارت باطنی کے حاصل نہیں ہوتی۔ (احیاء العلوم)

(۳) طالب علم کو چاہیے کہ اساتذہ کا ادب واحترام اپنے اوپر لازم سمجھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”علم حاصل کرو اور علم کے لیے متانت اور وقار پیدا کرو، جس سے تعلیم حاصل کرو اس سے خاکساری برتو“۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ بوڑھے مسلمان عالم، حافظ قرآن، عادل بادشاہ اور استاذ کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔

(۴) طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی خدمت کو اپنے لیے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے، ہم نے استاذ کے آداب میں تحریر کیا ہے کہ طالب علم سے خدمت نہ لے، یہی اس

کے لیے مناسب ہے، لیکن طالب علم استاذ کے کہنے کا انتظار نہ کرے، خود ہی اس کا کام کر دیا کرے، اور اس میں اپنی سعادت سمجھے، جو طالب علم اپنے استاذ کی خدمت کرتا ہے اللہ پاک اس کو دینی و دنیوی ترقی عطا فرماتا ہے، ایسے طلبہ بعد میں دین کی اشاعت کرتے ہیں جس سے ہزاروں بندگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

(۵) طالب علم کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ اساتذہ کی تعظیم اور احترام کرے، اسی طرح اس کو چاہیے کہ دین کی کتابوں کی عظمت بھی اس کے دل میں ہو۔

(۶) طالب علم کو چاہیے کہ اپنے رفیقوں اور ساتھیوں کا احترام کرے، اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے، اگر اس کا ساتھی غلط عبارت پڑھے تو اس پر ہنسنا نہ چاہیے، کیوں کہ اس نے غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے غلط پڑھا ہے، تمھاری ہنسی سے اسے تکلیف ہوگی، اور تمھارے اندر تکبر پیدا ہو جائے گا، اپنے کو تم اس سے اچھا سمجھو گے اور یہ دونوں چیزیں مہلک ہیں۔

(۷) طالب علم کو چاہیے کہ اچھی طرح محنت کرے، اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے، علم حاصل کرنے میں ہرگز سستی اور کاہلی سے کام نہ لے؛ کیوں کہ کاہلی علم سے محرومی کا باعث ہوگی۔

سلف کی زندگی پر غور کرے کہ انھوں نے کیسی محنت کی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“۔ (العنکبوت: ٦٩)

جن لوگوں نے ہمارے لیے جہد وجہد کی تو ضرور ہم ان کو سیدھی راہ دکھلائیں گے۔

محنت کے سلسلہ میں امور ذیل کا لحاظ ضروری ہے:

۱۔ مطالعہ: اس کے بغیر کسی طرح استعداد نہیں حاصل ہو سکتی، کوئی بھی اس کے بغیر ترقی نہیں کر سکا۔

۲۔ سبق کی پابندی: طالب علم کو چاہیے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے، اس سے بے برکتی ہوتی ہے، بسا اوقات اس ناقدری کا نتیجہ علم سے محرومی کا سبب ہو جاتا ہے۔

۳۔ تکرار و مطالعہ: طالب علم کو چاہیے کہ سبق میں غور سے سنے اور اس کے بعد اسی کا

تکرار کرے، اس کے بغیر استعداد پیدا نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی علم باقی رہ سکتا ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ مذاکرہ نہ کرنے سے نسیان ہو جاتا ہے، اور علم ضائع ہو جاتا ہے کہ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مذاکرہ کرو؛ کیوں کہ علم مذاکرہ سے جوش مارتا ہے۔

اسماعیل رجاء کا دستور تھا کہ مکتب کے لڑکے ان کے پاس آ کر حدیثیں سنایا کرتے تھے تاکہ بھول نہ جائیں، سعید بن جبیر نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس مجھے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

(۸) طالب علم کو علم کا حریص ہونا چاہیے، اگر وطن میں رہ کر تحصیل علم کے مواقع نہ ہوں تو اس کے لیے سفر کرے، پہلے زمانے میں ایک ایک حدیث اور دین کے ایک مسئلے کے لیے مہینوں کا سفر لوگ کرتے تھے، اور بڑی بڑی مشقت اٹھاتے تھے، ایک مسئلے کے معلوم ہو جانے پر ان کو ایسی خوشی ہوتی تھی کہ جیسا کہ دنیادار کو سلطنت ملنے پر ہوتی ہے۔

(۹) طالب علم کو چاہیے کہ علم جیسی بے بہا نعمت حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں ان کو برداشت کرے، اور اپنے اکابر کی زندگی کو سامنے رکھے کہ انھوں نے علم دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب برداشت کیے، ہر طرح کی تنگی کے باوجود وہ اس میں لگے رہے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج ہم تک دین کس طرح پہنچتا، جن سے کچھ فیض پہنچا ہے وہ تقریباً سبھی ایسے تھے جنھوں نے طالب علمی کی حالت میں بڑی بڑی مشکلات جھیلی۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، احیاء اسلام کے لیے علم حاصل کرتے ہوئے جو مرتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام سے ایک درجہ کم ہوتا ہے۔

(۱۰) طالب علم کو چاہیے کہ زمانۂ طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لے، اور ہر کام اس سے دریافت کرنے کے بعد کرے، اور بعد فراغت اس کی خدمت میں رہ کر اپنی ظاہری و باطنی اصلاح بھی اچھی طرح کر لے، اس کے بعد کوئی دینی کام شروع کرے، بغیر اصلاح کے اخلاص کا پیدا ہونا مشکل ہے، جب خود ہی نفس

کے مکائد اور اس کی دسیسہ کاریوں سے واقف نہ ہوگا تو ہر وقت خطرہ ہے کہ بجائے اصلاح کے فساد رونما ہو۔ (آداب المتعلمین)

تربیت کا انوکھا انداز:

حضرت ثمامہؓ بن اثالؓ جو اہل یمامہ کے سردار تھے، ان کے اسلام کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی ہی تو تھی، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب حکم الاسرار)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ ایک مرتبہ مسجد میں درس دے رہے تھے، ایک شاگرد جس کو غسل کی حاجت ہوگئی تھی، اس خیال سے کہ غسل کرنے میں دیر ہوجائے گی، سبق کی غیر حاضری پر حضرت شاہ صاحب ناراض ہوں گے، بغیر غسل ہی سبق کے لیے حاضر ہوا، جیسے ہی مسجد کے دروازے پر پہنچا اور شاہ صاحب کی نگاہ پڑی تو سبق بند کر کے اس طالب علم کو وہیں روک لیا اور سب طلبہ سے کہا آج تفریح کو جی چاہتا ہے، چلو سب لوگ تفریح کو چلیں، کتاب ساتھ لے لو وہیں سبق ہوجائے، سب طلبہ کے ساتھ وہ طالب علم بھی چلا، حضرت نے جمنا کا کنارہ تفریح کے لیے تجویز کیا، سب لوگ جب جمنا پر پہونچے تو حضرت نے فرمایا: ''آؤ بھائی سبق پڑھادیں، ناغہ کیوں ہو، ظاہر ہے اس حکمت عملی کا اس طالب علم پر کیا اثر ہوا ہوگا''۔ (آداب المعلمین: ۳۱)

اکابر کا انداز نصیحت:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے، اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی، بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں، حضرت

قاری صاحب رحمہ اللہ کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے، نہ جوش وخروش، نہ فقرے چست کرنے کا انداز، نہ پر تکلف لسانی، لہجہ وترنم، نہ خطیبانہ ادائیں، لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر موثر، دل چسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر مستفید ہوتے تھے، مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ، لیکن اندازِ بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی پانی ہو کر رہ جاتے، جوش وخروش نام کو نہ تھا، لیکن الفاظ ومعانی کی ایک نہر سبیل تھی، جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب ودماغ کو نہال کردیتی تھی، ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا، لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی اور کتنے غلط عقائد ونظریات سے تائب ہوئے۔ (نقوش رفتگاں: ۱۹۲)

حضرت بنوری رحمہ اللہ کا انداز تربیت:

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی پہلی یاد جو اس ناکارہ کے ذہن وحافظہ پر نقش ہے وہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسے پر حضرت کی تشریف آوری تھی، یہ ناکارہ خیر المدارس کا طالب علم تھا، حضرت جلسے پر تشریف لائے، آپ کے ساتھ آپ کے مدرسے کے ایک مصری استاذ بھی تھے، حضرت تقریر کے لیے جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو مصری استاذ کو بھی اپنے برابر کرسی پر بٹھالیا اور تقریر سے پہلے حضرت اپنے اس رفیق کی مدح وستائش کرنے لگے، سامعین حضرت کے تعریفی کلمات سے متعجب تھے، کیوں کہ مصری علماء کی طرح یہ صاحب بھی بے ریش تھے۔ غالباً حضرت نے سامعین کے چہروں میں حیرت واستعجاب کے خطوط پڑھ لیے، اس لیے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ حضرات ان کی ظاہری شکل کو نہ دیکھیں، ان کا باطن بہت خوب ہے، بہت عمدہ ہے، بہت اچھا ہے، آپ حضرات دعا کریں کہ میرا باطن ان جیسا

ہو جائے اوران کا ظاہر مجھ جیسا ہو جائے''۔

اور پھر اپنے اس رفیق کی طرف متوجہ ہوکر عربی میں فرمایا کہ شیخ! میں نے حاضرین سے یہ دعا کرنے کی فرمائش کی ہے، یہ سن کر وہ مصری عالم کھڑے ہوئے اورعربی میں کہا کہ:

''تمام حاضرین گواہ رہیں کہ آج سے میرا ظاہر شیخ بنوری جیسا ہوگا''۔(تحفۃ المدارس، ج:۱،ص:۲۱۴)

تعلیم انسانیت:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے فرمایا:

یہاں تو صرف ایک چیز سکھائی جاتی ہے،اوروہ انسانیت ہے،کوئی بزرگی کوضروری سمجھ رہا ہے، میں انسانیت اورآدمیت کوضروری سمجھتا ہوں، آدمی بننا ہو،انسان بننا ہوتو یہاں آیئے، دیکھئے وضونماز کے مقابلے میں کم درجہ رکھتی ہے مگر بدوں وضونماز نہیں ہوتی ،تو میں وضوکرتا ہوں، ہرجگہ کا مطلوب جدا ہے، یہاں کا مطلوب فنا ہونا ہےاوراسی کی تعلیم ہے۔

افروختن وسوختن وجامہ دریدن ❁ پروانہ زشمع زن گل زمن آموخت

انسان بننا فرض ہے، بزرگ بننا فرض نہیں،اس لیے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کوتکلیف ہوگی، بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کوتکلیف ہوگی، دوزخ میں جائے، انسان ہوگا تو اس سے دوسروں کوتکلیف نہ ہوگی،اس لیے میں انسان بنانے کی کوشش کرتا ہوں، بزرگ نہیں بناتا، میری روک ٹوک کی زیادہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کواذیت نہ پہنچےاورمسلمانوں کا یہ مذہب ہونا چاہیے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ❁ کسے را با کسے کارے نباشد

ہمارے ہاں تو بس اپنی نیند سوؤ، اپنی بھوک کھاؤ، چین کی زندگی بسر کرو، ہاں حدود

کے اندر رہو، اس کا مجھے خیال نہیں کہ کون جماعت میں شریک ہوا کون نہیں، لیکن ایسا فعل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کوتکلیف پہنچے۔(اصلاحِ دل)

تین مبارک ماحول:

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی عمر میں تین ماحول دیکھے،ایک دارالعلوم دیوبند کا، دوسرا گنگوہ اور تیسرا تھانہ بھون کا ماحول دیکھا، گنگوہ کا ماحول یہ تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ روؤں روؤں سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے، ہرایک سے ذکراللہ، ہرایک سے اللہ اللہ۔ دارالعلوم دیوبند میں یہ دیکھا کہ وہاں بے نمازی رہنا بڑا مشکل تھا۔ یہ ماحول کا اثر تھا کہ نماز پڑھنے پر ہرایک مجبور تھا، تھانہ بھون کا یہ ماحول تھا کہ معاملات کی سچائی، دیانت اورتقویٰ، وہاں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ دیانت اور تدین پر قائم رہو اور ایک دوسرے کوتکلیف نہ پہنچاؤ''۔(جواہر حکمت)

استاذ کی ٹوپی بھگو کر پی گئے:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل رحمہ اللہ سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حضرت حاجی صاحب نے اپنی کلاہ (ٹوپی) جو پندرہ برس تک آپ کے عمامے کے نیچے رہ چکی تھی مجھے عنایت فرمائی، میں نے رات کے وقت گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی، صبح کے وقت وہ پانی املتاس کے شربت سے بھی زیادہ سیاہ ہوگیا تھا، میں اس پانی کو پی گیا، اس پانی کی برکت سے میرا دماغ ایسا روشن اور ذہن ایسا رسا (تیز) ہوگیا کہ کوئی مشکل کتاب مشکل نہ رہی۔(مقامات مظہری:۲۹)

بصیرت فی العلم کے لیے بزرگوں کی صحبت کی ضرورت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بصیرت فی العلم کے لیے کبھی بزرگ کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی پہلے

صحبت ہواوراس کے بعدعلوم حاصل کرے تو بے حد نافع ہے،اس کی مثال ایسی ہے جیسے معدہ اگر اپنی اصلی حالت پر نہ ہوتو وہ لطیف سے لطیف غذا اور دوسری چیزوں کو باہر پھینک دیتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ پہلے طبیب سے معدے کی اصلاح کرائے تب غذا کھائے تو نافع ہے۔(الافاضات الیومیہ)

طلبہ کی مثالی تربیت:

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ نے ارشادفرمایا کہ مدرسے میں طلبہ اگر چہ کم ہوں مگر تعلیم نہایت معیاری ہو،اورتربیت واصلاح معیاری ہو، پھرخودلوگوں کوکشش ہوگی، ہمارے یہاں کا ایک بچہ جب وطن واپس گیا تو اس کی ۴؍رکعات سنتوں کو ۷؍منٹ میں پڑھتے دیکھا گیا اوراذان ہوتے ہی مسجد جانا، خاموشی سے باادب بیٹھنا اورعمرصرف ۷؍سال، اس کا اثر لوگوں پر یہ ہوا کہ تین آدمیوں نے اپنے بچوں کے داخلے کے لیے تار سے منظوری حاصل کی، کیوں کہ ہمارے یہاں ۲۵؍رمضان تک داخلہ بند ہوجاتا ہے، نئے آنے والے اور پرانے آنے والے دونوں قسم کے بچوں کو ۲۵؍رمضان تک یہاں عمل کی داخلے کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہوتی ہے، بمبئی، حیدرآباددکن، مدراس واڑیسہ مختلف صوبوں کے چھ سات سال کے بچے اپنے مصارف سے دارالاقامہ میں رہتے ہیں اوراب تجوید کی معیاری تعلیم کوسن کرافریقہ سے بھی طلبہ آنے لگے ہیں۔(مجالس ابرار)

مجلس میں بیٹھنے کے مختلف آداب:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

۱۔ جب مجلس جمی ہوئی ہواورکوئی گفتگو ہورہی ہوتو سلام نہیں کرنا چاہیے، بعض لوگ بیچ میں السلام علیکم کہہ کرلٹھ سا مار دیتے ہیں، جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اورتمام مجمع پریشان ہوجاتا ہے۔

۲۔ کام کی مشغولی کے وقت سلام اور چھینک کا جواب دینا واجب نہیں۔

۳۔ جس موقع پر سلام کرنے سے قلب مشوش ہوجائے اس موقع پر سلام نہ کرو۔

۴۔ مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو دیکھو مت کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے، بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہوکر بھی مت بیٹھو۔

۵۔ جب جگہ میں وسعت ہو تو کسی کی طرف پشت کر کے نہ بیٹھنا چاہے، جگہ نہ ہو تو مجبوری ہے۔ مسلمان کا احترام اتنا ہے کہ بجز امامت کی ضرورت کے اس کی طرف پشت نہ کرنا چاہے، حتی کہ جو اذکار نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں، ان میں بھی پشت نہ کرنا چاہیے، گو خانہ کعبہ کی طرف پشت ہوجائے۔

۶۔ کسی کے پاس بیٹھنا ہوتو اس قدر مل کر نہ بیٹھو کہ اس کا دل گھبرائے اور نہ اس قدر فاصلے پر بیٹھو کہ بات چیت کرنے میں تکلف ہو۔

۷۔ مجلس میں کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاؤ۔

۸۔ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھو۔

۹۔ جو شخص اپنی جگہ سے چلا جائے پھر جلدی آکر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ جگہ اس کا حق ہے دوسرے شخص کو وہاں نہ بیٹھنا چاہیے۔

۱۰۔ اگر کسی ضرورت سے مجلس سے اٹھنا اور پھر آکر بیٹھنا منظور ہو تو اٹھتے وقت کوئی چیز رومال وغیرہ وہاں چھوڑ دے تاکہ حاضرین کو معلوم ہوجائے۔

۱۱۔ جو دو شخص قصداً مجلس میں ایک جگہ جمع ہوں ان کے درمیان بلا ان کی اجازت مت بیٹھو۔

۱۲۔ جب مجلس میں جاؤ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جاؤ، یہ نہیں کہ تمام حلقے کو پھاند کر ممتاز جگہ پہنچ جاؤ۔

۱۳۔ مجلس میں ناک بھویں چڑھا کر مت بیٹھو، جمائی کو حتی الامکان روکو اگر نہ رکے تو منہ ڈھانک لینا چاہیے۔

(استاذ اور شاگرد کے حقوق: ۶۳ تا ۶۵، افادات حضرت حکیم الامت)

بجلی کے استعمال میں احتیاط کرنا:

طلبہ کو چاہیے کہ بجلی ولائٹ استعمال کرنے میں احتیاط کریں، مدرسے کی طرف سے جتنی دیر لائٹ استعمال کرنے کی اجازت ہو اس سے زیادہ استعمال نہ کریں اور کمروں سے نکلتے وقت لائٹ بند کردیں، بشرطے کہ کمروں میں کوئی موجود نہ ہو، اسی طرح پنکھوں کے استعمال میں احتیاط رکھیں اور بلاضرورت پنکھوں کو جاری نہ رکھیں۔ (تحفۃ المدارس، ج:۲ص:۵۰۳)

آلاتِ علم کا ادب:

طلبہ کو چاہیے کہ جس علم کو حاصل کررہا ہے، اس کی تو قدر ضرور کرے ہی اور ساتھ ساتھ علم کے آلات وذرائع کی بھی قدر کرے، مثلاً قلم، کاغذ، تپائیاں، درس گاہ، روشنائی، خصوصاً کتابوں کا تو بہت ہی ادب واحترام ہونا چاہیے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اندر جاکر نظر پڑی کہ انگوٹھے پر روشنائی کا نقطہ لگا ہوا ہے، جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لیے لگایا جاتا تھا، فوراً گھبرا کر باہر آگئے اور دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطے کو علم کے ساتھ تلبس ونسبت (لگاؤ) ہے، اس لیے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں۔ یہ تھا آج کل تو اخبار ورسائل کی فراوانی ہے، ان میں آیات واحادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں، غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، العیاذ باللہ العظیم، معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا جن عالم گیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے، اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔ (مجالس حکیم الامت:۲۸۱و۲۸۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک چمڑے کا بیگ تھا، کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑے میں لفظ محمد اشرف علی کندہ کرادیا تھا، اس کا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے۔

ایک لفافہ پر روشنائی گرگئی تھی، اس پر یہ لکھ دیا ''بلا قصد روشنائی گرگئی'' اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لیے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں، جس کا سبب قلتِ احترام ہوتا ہے۔ (الفصل للوصل:۱۹۷)

ایک طالب علم کی احتیاط کا واقعہ:

ایک طالب علم نے بعد نماز عشاء تھوڑی دیر کے بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا اور مطالعے کے لیے بیٹھ گیا، ایک بزرگ جو وہاں اتفاق سے موجود تھے اس کی وجہ دریافت کی، طالب علم نے کہا یہ مسجد کا چراغ تھا، جتنی دیر اس کے جلنے کی اجازت ہے اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں، بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں، اس بزرگ نے دریافت کیا آپ کا کسی سے اصلاحی تعلق ہے؟ طالب علم نے کہا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی نور اللہ مرقدہ سے، بزرگ نے کہا: اس کا اثر یہی ہونا چاہیے۔ (تحفۃ المدارس:۲/۳۰۳)

جمعہ کے دن کیا کرنا چاہیے:

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ نے طلبہ سے فرمایا کہ جمعہ کا دن سیر وتفریح اور کھیل کود کے لیے نہیں ہوتا یہ تو اس لیے ہوتا ہے کہ ہفتہ بھر کے جو کام رکے ہوئے تھے جن کے کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا، ان کو اب کرلیا جائے، کپڑے دھونا، سینا، صفائی کرنا، کسی کو خط لکھنا یا جو معمول قرآن شریف وغیرہ پڑھنے کا ہو اس میں جو ناغہ اور نقصان ہوگیا ہو اس کی تلافی آج کے دن کرلینا چاہیے اور طلبہ کو چاہیے کہ ہفتہ بھر میں جتنے اسباق پڑھے ہیں ان سب کا تکرار اور اعادہ جمعہ کے دن کرلیں۔

اس کے بعد حضرت نے اپنی زمانۂ طالب علمی کا واقعہ بیان کیا کہ جب جمعہ کا دن آتا تو جمعہ کی شب کو ہم اور ہمارے بعض ساتھی ایک مسجد میں جمع ہوتے اور سب مل کر رات بھر پڑھتے، ہفتہ بھر میں جتنے اسباق پڑھے ہیں سب کا تکرار رات بھر میں کرلیتے،

صبح ہوتی تو چائے بنتی اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے اس میں بھگو دیے جاتے اور اس کا ناشتہ کرتے اور جمعہ کا دن بھی ہم لوگوں کا پڑھنے اور اساتذہ کی خدمت میں گزرتا۔

حضرت نے فرمایا کہ میرا معمول تھا کہ جمعہ کے دن اپنے تمام اساتذہ کے پاس جاتا اور دھونے کے لیے ان سے کپڑے مانگتا، ان کی خدمت کرتا، مدرسین میں سے بعض کا کھانا مدرسہ کے مطبخ سے جاری تھا، حضرت اقدس مطبخ سے ان کا کھانا لاتے اور بعض اساتذہ کا کھانا ان کے گھر سے دونوں وقت پابندی سے لایا کرتے تھے اور کبھی اگر بازار سے سامان وغیرہ لانا ہوتا تو وہ بھی حضرت ہی لاتے تھے، اساتذہ کی خدمت میں خود حاضر ہوتے اور عرض کرتے حضرت کچھ کام ہو تو حکم فرمائیے۔ (تحفۃ المدارس: ۲/ ۱۹، ۲۰)

اوقات کی پابندی:

طلبہ کو چاہیے کہ اگر کسی ضرورت سے خارج مدرسہ جانا ہو تو منتظمین سے چھٹی لیں، لیکن حتی الامکان جہاں تک ہو سکے مدرسے میں رہنا چاہیے، ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ کے پاس کچھ افریقی طلبہ جلال آباد سے آئے ہوئے تھے، انھوں نے آکر عرض کیا کہ ہم یہاں ۴؍ بجے تک کے لیے حاضر ہوئے ہیں، کیوں کہ مدرسے سے اتنے ہی وقت کے لیے ہم نے چھٹی لی ہے، اس پر حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا کہ حضرت سہارن پوریؒ سے جتنے دن کی چھٹی لے کر میں کاندھلہ جاتا ٹھیک وقت پر واپس آجاتا، کبھی اس کے خلاف نہیں کیا، چاہے کوئی اہم بات پیش آجائے۔ (صحبتے با اولیا)

مدارس عربیہ اور ان کے طلبہ کے لیے ایک خاص نصیحت:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانے میں طلبہ پر اپنے اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ و اثر نہ جمتا تھا، طلبہ کو اپنے اساتذہ سے خاص عقیدت و محبت

اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی، اب مزاج و مذاق بدل گئے، طلبہ و اساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا، اس لیے علمی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا، اور کسی رنگ میں پختہ نہیں ہوتے، علمی استعداد اور عملی تربیت سب ہی کم زور ہو گئیں، اس لیے مدارس میں طلبہ کی عملی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہیں کہ طلبہ و اساتذہ میں باہم ربط و مناسبت پیدا ہو اور استعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے فرمایا کہ میرے نزدیک اس وقت بہت ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں تفسیر جلالین سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ التزام سے پڑھایا جائے۔

(مجالس حکیم الامت)

اصلاحِ نفس کا طریقہ

اور فراغت کے بعد کا ضروری دستور العمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

کتب درسیہ کی فراغت کے بعد آپ کے ذمہ واجب العمل ہے کہ اگر ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کیے تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجیے، اور اس ارشاد کے مطابق عمل کیجیے، خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولت خشوع عطا فرماتے ہیں، اور علم کا اثر قلب کے اندر پیوست ہو جاتا ہے، لیکن اس پر اسی وقت عمل کرنا مناسب ہے کہ جب کتب درسیہ سے فراغ ہو چکے اور اساتذہ ادھر متوجہ ہونے کی اجازت دے دیں، اور اگر اساتذہ ختم درسیات کے بعد چند روز تک درسیات ہی میں مشغول رہنے کا حکم فرمائیں تو ان کے ارشاد پر عمل کرے، اور جب کافی مناسبت نہ ہو جائے اس وقت تک درسیات ہی میں مشغول رہے، اور جب کافی مناسبت ہو جائے تو چند روز کسی کے پاس رہ کر اصلاح باطن کرے، اور پھر درس و تدریس کا شغل بھی جاری کر دے۔ (دعوات عبدیت، ج: ۱۳/ ص: ۴۲)

فراغت کے بعد طلبہ التزاماً محققین اہل اللہ کی خدمت حسب گنجائش قیام کریں، اوران سے عملاً آداب واخلاق سیکھیں، اوران کی صحبت سے برکت حاصل کریں، اور چنددن ان کی خدمت میں آمدورفت رکھیں، جس سے کہ نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہوجائے، تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں، ان شاء اللہ عموماً اہل اسلام ان سے وابستہ ہوکر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے۔ (تجدید تعلیم: ۷۵)

مشائخ کی خدمت ضرورت اوراس کے فوائد:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

بزرگوں سے تعلق بڑی نعمت ہے، لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، مجھ کو تو اس لیے بھی اس کی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعا کے اور کچھ ہے نہیں، نہ علم ہے نہ عمل ہے، اگر ہے تو صرف یہی ایک چیز ہے۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۵/ص:۱۰۵)

آج کل پڑھنے پڑھانے والوں کو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں، بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم بہت کچھ ہوگئے۔ (طریق القلندر)

یاد رکھیے! جو عالم مدرسہ سے فارغ ہوکر خانقاہ میں نہ جائے (یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے) وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کرکے اسی پر قناعت کرے اور نماز نہ پڑھے، محض پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔

(الافاضات الیومیہ، ج:۴/ص:۵۱۵)

ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا کہ درس اور کتابی اعتبار سے پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو اور ایسے بہت دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں، لیکن صحبت حاصل ہوجانے کی برکت اور فیض سے دین کی خدمت کرتے ہیں، پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے۔ (طریق النجاۃ: ۹۶)

صحبت اہل اللہ کا فائدہ:

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دیوبند سے تھانہ بھون حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

''حضرت! میں جب یہاں آتا ہوں تو میرے بعض رفقاء مجھ سے کہتے ہیں کہ تم تھانہ بھون بار بار کیوں جاتے ہو؟ یہاں اتنا عظیم الشان کتب خانہ ہے جس میں بڑے بڑے علماء وفقہاء اور بزرگان دین کی کتابیں ہیں، ان کو پڑھو اور فائدہ اٹھاؤ اور درس وفتویٰ جو ایک عظیم عبادت ہے اس میں مصروف رہو''۔

حضرت (حکیم الامتؒ) نے پوچھا: ''پھر آپ نے کیا جواب دیا؟''

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا:

''میں نے عرض کیا کہ تھانہ بھون جا کر جو روحانی سکون ملتا ہے وہ یہاں نہیں ملتا''۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''یہ بتایئے کہ خانقاہ سے تعلق کے بعد آپ کو اپنے علمی کاموں درس وتدریس، فتویٰ اور تصنیف میں بھی کوئی فرق محسوس ہوا یا نہیں؟''

حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا: ''جی ہاں! زمین وآسمان کا فرق ہوگیا، علوم کے بہت سے دروازے تو یہیں پہنچ کر کھلے''

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: ''بس تو ایسے لوگوں کو یہی جواب دینا چاہیے کہ خانقاہ جا کر وہ نظر اور وہ بصیرت پیدا ہوتی ہے، جس سے ان کتابوں کا صحیح فائدہ حاصل ہوتا ہے''۔ (ماہنامہ البلاغ)

صحبت کے موثر ہونے کے آداب:

لوگ صحبت کا اثر چاہتے ہیں اور اکثر لوگ آداب صحبت سے واقف بھی نہیں، صحبت کے جو طریق ہیں وہ اختیار کیجیے، دیکھئے اثر ہوتا ہے یا نہیں، طرح طرح کے بکھیڑے لے کر

مشائخ کی خدمت میں جاتے ہیں، کوئی مقدمے کے واسطے دعا کرتا ہے، کوئی اولاد کا طالب ہے، اللہ میاں کا طالب بھی کوئی ہے؟ مشائخ کے پاس سوائے کلام ضروری کے کچھ بات نہ کی جائے، اگر وہ خود بھی دنیا کی بات کریں تو سمجھو کہ منتہی کو اس سے ضرر نہیں ہوتا اور تم مبتدی ہو کوئی بات اگر پوچھنے کی ہو تو یوں گمان کر رکھا ہے کہ ہم جا کر بیٹھتے ہیں اس کو پوچھنا نہ چاہیے، وہ خود بیان کریں، صاحب اول تو یہ امر متعلق کشف کے ہے اور کشف دائمی اور اختیاری نہیں، پھر اگر ان کو کشف بھی ہو گیا تو یہ کیا ضروری ہے کہ وہ اس کا جواب دیں، جب تم اہل حاجت ہو کر مستغنی ہو تو اگر وہ مستغنی ہوں تو کیوں مجبور کیے جائیں، پھر یہ کہ ان کی شفقت اور زیادہ ہو جائے گی، تمہارے سوال کرنے سے ضرور پوچھو، جب وہ بلا تمھارے پوچھے چاہتے ہیں کہ تم کو معلوم ہو جائے اور سعادت حاصل کرلو تو تمھارے پوچھنے سے اور زیادہ شفقت نہ کریں گے۔ (خطبات حکیم الامت، ج:۲۴)

استاذ نے اپنے شاگرد سے اصلاحی تعلق قائم کیا:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ کل جن اساتذہ کے سامنے آپ نے طالب علمانہ زانوئے تلمذتہ کیا تھا، ایک دن وہ آیا کہ انھیں میں سے ایک نہایت جلیل القدر استاذ، استاذ الاساتذہ جامع معقول ومنقول بزرگ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نور اللہ مرقدہ اپنے اس عظیم المرتبت شاگرد کی خدمت میں مسترشدانہ حاضر ہوئے۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں، تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ علامہ طیبی نے اپنے شاگرد عمر خطیب تبریزی سے مشکوٰۃ شریف تالیف کرا کے خود اس کی شرح لکھی، ماضی قریب میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی جنھوں نے مثنوی مولانا روم کا تکملہ تحریر فرمایا، زبردست عالم وفاضل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

دہلویؒ کے تلمیذ خاص اور مرید تھے، لیکن بعد میں اپنے چھوٹے بھائی، اپنے شاگرد جناب حاجی کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ (تحفۃ المدارس:۲/۳۵۶)

شاگردوں پر شفقت اور نرمی

استاذ کو چاہیے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ" میں تمھارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ والد اپنے لڑکے کے لیے۔

ابو ہارون عبدی اور شہر بن حوشب کہتے ہیں، جب ہم طالب علم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے، خوش آمدید وصیۃ رسول اللہ خوش آمدید، سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"عنقریب زمین تمھارے لیے مسخر کر دی جائے گی، اور تمھارے پاس کم عمر آئیں گے جو علم کے بھوکے پیاسے ہوں گے، تفقہ فی الدین کے خواہش مند ہوں گے اور تم سے سیکھنا چاہیں گے، پس جب وہ آئیں تو انھیں تعلیم دینا، مہربانی سے پیش آنا، ان کی آؤ بھگت کرنا اور حدیث بتانا"۔ (جامع البیان العلم)

"تعلیم المتعلم" میں لکھا ہے کہ استاذ مشفق کا لڑکا بھی عالم ہوتا ہے، کیوں کہ استاذ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد عالم بن جائیں اس لیے اس آرزو کی برکت اور اس کی شفقت کی وجہ سے اس کا لڑکا بھی عالم ہو جاتا ہے۔

برہان الائمہ سب طلبہ سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر کے وقت اپنے دونوں لڑکوں کو پڑھاتے تھے، لڑکوں نے کہا کہ اس وقت پڑھنے میں طبیعت نہیں لگتی، فرمایا جو طلبہ دور دور سے میرے پاس آتے ہیں، میرے لیے ضروری ہے کہ پہلے انھیں پڑھاؤں، ان لڑکوں نے اس میں مزاحمت نہ کی، اس کی برکت سے اپنے زمانے کے بڑے عالم ہوئے اور اپنے ہم عصروں پر فوقیت لے گئے۔ (آداب المعلمین:۹)

طالب علم سے اپنے بیٹے کے مقابلے زیادہ محبت:

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ مولانا سید امین الدین صاحبؒ سے جو احقر کے رشتے میں ماموں بھی ہوتے ہیں، سنا ہے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا سید ظہور الاسلام صاحبؒ بانی مدرسہ اسلامیہ فتح پور کے زمانے میں ایک بنگالی طالب علم سخت بیمار ہوا اور حالت اخیر معلوم ہونے لگی، مولانا تشریف لے گئے تو اس طالب علم کی آنکھوں میں آنسو آگئے، حضرت مولانا نے تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، تم ان شاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے، اور اس کے بعد سجدے میں دیر تک دعا مانگتے رہے، فرمایا: اے اللہ! اگر جان ہی لینا طے ہو تو ظہور الاسلام کا بچہ عطیۃ اللہ حاضر ہے، یہ طالب علم پردیسی ہے، میری امانت میں ہے، اس کو صحت عطا فرما، حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر میں گھر سے اطلاع آئی کہ عطیۃ اللہ کی حالت غیر ہے، جلد تشریف لائیے، حضرت مولانا پہنچے تو انتقال ہو چکا تھا، حضرت کا یہی اکلوتہ اور ہونہار لڑکا تھا، اللہ پاک باپ بیٹے دونوں کی قبر کو نور سے بھر دے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(آداب المعلمین: ۱۰)

شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی:

اگر طالب علم کے پاس اتنی وسعت نہ ہو کہ وہ تحصیل علم کے ساتھ اپنے قیام وطعام کا خود کفیل ہو سکے تو اس کا حتی الوسع انتظام کیا جائے۔

امام محمد کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ اسد ابن فرات کا خرچ ختم ہو گیا، انھوں نے کسی سے ذکر نہ کیا، امام محمدؒ کو جب معلوم ہوا تو اسّی (۸۰) دینار ان کے پاس بھجوائے۔ (معالم الایمان)

امام شافعی علیہ الرحمہ کی بھی انہوں نے کئی بار مالی امداد کی، ایک بار ان کو پچاس دینار دیئے اور فرمایا کہ اس میں عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عراق کے زمانۂ قیام میں ایک بار امام شافعیؒ قرض کے سلسلے میں نظر بند کر دیے گئے تھے، امام محمدؒ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے انھیں رہا کرا دیا۔ (مناقب کردی، ص: ۱۵۰)

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت استاذی مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد واقعات اس قسم کے ہیں کہ ان کو جب اس کا علم ہوا کہ کوئی طالب علم خرچ کی وجہ سے پریشان ہے تو فوراً اس کی حسب استطاعت امداد فرمائی، ہر سال ایک بڑی تعداد طلبہ کی ایسی رہتی ہے جن کا وظیفہ حضرت اپنے پاس سے مقرر کر دیتے ہیں“۔ (آداب المعلمین: ۲۱)

اگر معلوم ہو جائے کہ سبق میں کوئی غلطی ہو گئی تو فوراً رجوع کر لے اور طالب علم سے کہہ دے کہ فلاں بات میں نے غلط کہی تھی، صحیح مطلب یہ ہے، اور اگر طالب علم عبارت کا مفہوم صحیح بتا رہا ہو تو اس کی بات مان لے، اس میں استاذ کی بڑائی ہے، اس کی توہین نہیں ہوتی، بلکہ اس کی دیانت داری اور امانت کا سکہ شاگرد کے دل میں بیٹھ جائے گا۔

محمد ابن کعب قرظی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ایک مسئلہ پوچھا، آپ نے بتایا، ایک دوسرا شخص جو وہاں موجود تھا، اس نے کہا: اے امیر المومنین! مسئلہ یوں نہیں یوں ہے، حضرت امیر المومنین نے فرمایا: بے شک تم صحیح کہتے ہو، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ (جامع بیان العلم)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طلبہ پر شفقت:

ایک دن ۱۲ر بج چکے تھے اور حضرت رحمہ اللہ کی تقریر جاری تھی، طلبہ گوش بر آواز تھے اور حضرت بھی پورے انہاک کے ساتھ حدیث پر کلام فرما رہے تھے، گھڑی کی سوئیاں جوں جوں آگے بڑھ رہی تھیں ہمارے ایک طالقانی ساتھی کی بے چینی بھی بڑھتی

جا رہی تھی، لیکن ہم میں سے کسی کو اس کا احساس نہ تھا، جب اس حدیث پر کلام ختم کرنے کے بعد حضرت نے تلاوت حدیث کرنے والے طالب علم کو آگے پڑھنے کا حکم دیا، تو طالقانی ساتھی نے اپنی گرج دار آواز میں شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ’’سبق بند کرو‘‘ شیخ کے ساتھ تمام طلبہ کی نگاہیں بھی طالقانی کے چہرے پر جم گئیں، حضرت شیخ نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں طالقانی سے سوال کیا ’’سبق کیوں بند کروں؟‘‘

طالقانی ناسمجھ نہ تھا، وہ اپنے شیخ کی عظمت سے بے خبر نہ تھا، نہ ہی اس کی اس ’’جرأت رندانہ‘‘ کے پس پردہ گستاخی کا کوئی جذبہ کارفرما تھا، بلکہ وہ اپنے شیخ کے مزاج سے آشنا تھا، اسی لیے اس نے طلبہ کی گھورتی ہوئی نگاہوں کی پرواہ کیے بغیر شیخ کے استفسار کے جواب میں اسی کڑک کے ساتھ کہا ’’ہم بھوکا ہے‘‘۔

شیخ نے مسکراہٹ کچھ اور گہری کرتے ہوئے فرمایا: ’’میں بوڑھا آدمی ہو کر بھوکا بیٹھا پڑھا رہا ہوں، تم جوان ہو کر بھوکے نہیں پڑھ سکتے؟‘‘۔

طلبہ نادم وشرمسار مگر شیخ کے لحاظ میں طالقانی کو روک بھی سکتے تھے، لیکن طالقانی کو بھی حالِ دل سنانے کا بہترین موقع ملا تھا، پھر بھلا وہ طلبہ کی برہمی کو خاطر میں لا کر ’’شیخ کی عنایتوں‘‘ سے اپنے کو محروم کیوں کرتا؟ طالقانی نے شیخ کے جواب میں کہا: ’’تم صبح اچھا اچھا ناشتا کر کے گھر سے آتا ہے، ہم صبح سے بھوکا پڑھتا ہے‘‘۔ طالقانی کا جواب سن کر شیخ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، کتاب بند ہو گئی اور سبق ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا، پھر شیخ اپنے ساتھ طالقانی طالب علم کو مدنی منزل لے گئے، اس کو اپنی خصوصی نگرانی میں کھانا کھلایا اور تاکید کے ساتھ حکم فرمایا کہ کل سے تم صبح کا ناشتہ میرے ساتھ ہی کرو گے‘‘۔ (حیات وکارنامے، ص: ۴۴۰)

حضرت نانوتویؒ اور شوقِ علم:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سفر حج میں تھے، اس سفر میں آپ کا جہاز ایک بندرگاہ

پر ٹھہر گیا، مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا، چوں کہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں، اس لیے جہاز سے اتر کر ان کی خدمت میں روانہ ہو گئے، جب ان کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولانا کو ان کی شہرت علم کی تصدیق ہو گئی اور آپ نے ان سے حدیث کی سند کی درخواست کی، ان عالم صاحب نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے، مولانا نے فرمایا شاہ عبدالغنی صاحب سے، وہ عالم شاہ عبدالغنی صاحب کو نہ جانتے تھے، اس لیے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی صاحب نے کس سے پڑھی ہے، مولانا نے فرمایا شاہ اسحاق صاحب سے، وہ شاہ اسحاق سے بھی واقف نہ تھے، اس لیے پوچھا کہ شاہ اسحاق صاحب نے کس سے پڑھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب، وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے، جب ان کا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تم کو سند دوں گا اور یہ بھی فرمایا:

’’شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے‘‘۔

پس جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں، یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے، اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں، اس کے بعد انھوں نے مولانا کو حدیث کی سند دے دی۔ (آپ بیتی:، ج:۲، ص:۵۲، ۵۳)

مطالعہ کرنے کا طریقہ:

حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب شروانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

مطالعہ طلوع سے مشتق ہے، جس کے معنی ہے نکلنا، اور باب مفاعلۃ کا ایک خاصہ ہے تعدیہ، یعنی متعدی بنانا، لہٰذا مطالعہ بمعنی نکالنا ہوا، ایک خاصہ باب مفاعلۃ کا مبالغہ ہے، اس اعتبار سے مطالعہ خوب خوب نکالنے کے معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

اس لیے نقوش کتاب جو پہلے سے ذہن ودماغ پر مختلف وجوہ سے مخفی ہیں اور سمجھنے

اور جاننے کے لیے مختلف قسم کا غور وفکر کرنا اور فکر وسوچ کی محنت کرنا ضروری ہے، اول تو لغت اور صرف کے اعتبار سے سوچنا اور سمجھنا ضروری ہوگا کہ کون سا صیغہ اور کیا معنی ہیں، دوسری محنت علم نحو اور ترکیب کے اعتبار سے دیکھنا اور سوچنا ہوگا کہ ترکیب میں کیا واقع ہے، اور اعرابی لحاظ سے کس طرح پڑھا جائے، تنوین کے ساتھ یا بلا تنوین حرکات، ثلاثہ میں سے کس حرکت کے ساتھ پڑھنا صحیح ہوگا، تیسری فکری محنت یہ ہوگی کہ ماقبل ومابعد کے اعتبار سے ترجمہ کس طرح کرنا صحیح ہوگا اور اس جگہ اس کا کیا مطلب ہوگا، مصنف کیا بتلانا اور سمجھانا چاہتے ہیں تو مختلف احتمالات نکالتے ہوئے ان تینوں مرحلوں کو طے کرنے کا نام مطالعہ ہے، صرف کتاب کے نقوش پر نگاہ ڈالنا اور بے سوچے سمجھے کیف ما اتفق زبان سے تلفظ کر لینے کا نام ہرگز مطالعہ نہیں، اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے، اس کے لیے جتنا ذہن یکسو ہوگا اتنی ہی سوچ وفکر صحیح ہوگی۔

اس طرح غور وفکر سے کام لینے میں طالب علم کو اول اول بہت تعب (تھکن) ومشقت محسوس ہوگی، اور وقت زیادہ خرچ کرنے کے باوجود کام کی مقدار بہت کم ہوگی، یعنی کافی دیر میں ایک آدھ سطر حل ہو سکے گی، لیکن کرتے کرتے روز بروز قوتِ فکریہ میں تیزی وترقی اور مقدار میں بھی روز بروز اضافہ اور زیادتی ہوتی چلی جائے گی، نیز اس طرح مطالعہ کر کے سبق پڑھنے میں لطف اور مزہ بھی آتا چلا جائے گا اور سبق ذہن نشین اور محفوظ رہے گا، استعدادِ علمی حاصل ہونے کا اور ترقی کا ذریعہ یہی مطالعہ ہے، اس لیے اس پر محنت ضروری ہے، سستی اور آرام طلبی کو اس پر قربان کر دینا چاہئے، اور حتی الامکان کوئی سبق بلا مطالعہ نہ پڑھے۔ (رسالہ اسٹرائک)

مطالعہ صرف محققین کی کتابوں کا کرنا چاہیے:

جو محققین کی تصانیف ہیں ان کو مطالعہ میں رکھیے، ہر زید وعمرو وبکر کی تصنیف کا مطالعہ نہ کیجیے، کیوں کہ آج کل آزادی کا زمانہ ہے، ہر شخص کا جو جی چاہتا ہے لکھ مارتا

ہے، آج کل ایسے ایسے شخص بھی ہیں کہ میں نے ایک رسالہ میں یہ مضمون لکھا ہوا دیکھا کہ سود حرام نہیں ہے، مسلمانوں کو سود کے ذریعے ترقی کرنا چاہیے اور قرآن میں جو ربوا آیا وہ ربوا بضم الراء ہے، ربودن سے، مطلب یہ ہے کہ خدا نے غصب کو حرام کیا ہے، آج کل ایسی بھی تحقیقات ہیں اور ایسے ہی محقق ہیں اور یوں ہی اسلام کے پرتوڑے جائیں گے تو پھر اسلام کی خیر نہیں۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہر کتاب کے دیکھنے میں کیا حرج ہے، اگر ہم اپنے مسلک میں جمے رہیں تو کسی کتاب کے دیکھنے میں کیا مضائقہ ہے، سو بات یہ ہے کہ میں ہر شخص کی تصنیف کے مطالعے سے نہیں روکتا، اگر اس کا برا اثر نہ دیکھتا، مگر جب میں لوگوں کو متاثر ہوتا ہوا دیکھتا ہوں تو منع کرتا ہوں، پس آپ کی خیر اسی میں ہے کہ صرف محققین کے رسالے دیکھیے اور نئے نئے خود رو مصنفوں کے رسالے ہرگز نہ دیکھیے۔ (التبلیغ، ج:۱۰/ص:۱۲۶)

دورِ قدیم کے طلبہ:

ایک حکایت ہے کہ ایک بادشاہ وزیر میں گفتگو ہو رہی تھی، بادشاہ کہتا تھا کہ طلبہ عربی بہت عاقل ہوتے ہیں، وزیر کہتا تھا کہ ان سے بڑھ کر بے وقوف کوئی نہیں، اتفاق سے ایک طالب علم جوتیاں چٹخاتے خستہ حال سامنے سے گزرے، بادشاہ نے ان کو بلایا اور وزیر سے کہا کہ ابھی فیصلہ ہوجاتا ہے۔

دیکھو یہ طالب علم اتفاق سے میرے سامنے آ گیا اس کو انتخاب کر کے نہیں بلایا، اب میں اس کی عقل کا امتحان کر کے تم کو دکھلاتا ہوں کہ عربی طلبہ کیسے عاقل ہوتے ہیں، طالب علم کو بادشاہ نے عزت سے بٹھایا اور سامنے ایک حوض تھا، اس کی طرف اشارہ کر کے اول وزیر سے سوال کیا، کہ بتلاؤ اس میں کتنے کٹورے پانی کے آسکتے ہیں؟

وزیر نے کہا بدوں شمار کے اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا، حوض کو خالی کیا جائے اور

کٹورہ بھر بھر کر پانی کا اس میں ڈالا جائے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کتنے کٹورے پانی آسکتا ہے۔

بادشاہ نے اس کے بعد طالب علم صاحب سے دریافت کیا کہ مولانا آپ بتائیں کہ اس میں کتنے کٹورے پانی آسکتا ہے؟ طالب علم نے کہا کہ یہ سوال مہمل ہے، پہلے کٹورا تو متعین ہونا چاہیے کہ وہ کٹورا کتنا بڑا ہے، اگر کٹورا حوض کے برابر ہے تو ایک کٹورا پانی آسکتا ہے، اگر اس سے آدھا ہے تو دو کٹورے، اگر تہائی ہے تو تین اگر سواں حصہ ہے تو سو کٹورے، اگر ہزارواں حصہ ہے تو ایک ہزار کٹورے اور اگر لاکھواں حصہ ہے تو ایک لاکھ کٹورے، غرض جو نسبت مساحت میں حوض سے کٹورے کو ہوگی، اسی نسبت سے اس میں کٹورے آسکیں گے، اس لیے اول کٹورا متعین کرنا چاہیے، اس کے بعد سوال کرنا چاہیے۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اب انصاف کی بات تو یہ ہے کہ تم قلم دان وزارت اس طالب علم کے حوالے کردو، اور خود جاکر طالب علمی کرو، مگر تمھارے خاندان میں وزارت چلی آرہی ہے، اس لیے معاف کرتا ہوں، اور تم کو اس عہدے پر بحال کرتا ہوں، اس کے بعد مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا آپ کو بہت تکلیف دی گئی، معاف کیجیے گا، اب آپ جاسکتے ہیں۔

وہ سلام کر کے چلتے ہوئے اور ان کے دل میں وزارت کی ذرا بھی ہوس پیدا نہ ہوئی، حالانکہ بادشاہ ان کی قابلیت وزارت کو تسلیم کر چکا تھا، کیوں کہ اس زمانہ میں طلبہ کو دنیا کی ہوس نہ تھی۔ (تحفۃ المدارس، ج:۲ص:۵۴۴،۵۴۵)

معمولات زندگی:

محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے رات کے تین حصے کردیے تھے، ایک حصہ سونے کے لیے، ایک نماز کے لیے، اور ایک درس کے لیے، وہ بہت زیادہ جاگتے تھے، کسی نے کہا آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا ”میں کس طرح سوجاؤں جب کہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں“ امام طحاوی فرماتے ہیں

کہ میں نے اپنے استاذ قاضی ابن عمران سے سنا ہے کہ امام محمد رات دن میں تہائی قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ (ظفر المحصلین)

اکابر واسلافؒ کی طالب علمی

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حسن ادب:

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک بھنگی سے دریافت کیا کہ کتا کب بالغ ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرنے لگے، اس کے بعد امام صاحب کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جب اس بھنگی کو دیکھتے تو ادب سے کھڑے ہوجاتے اور اس کا لحاظ کرتے کہ ایک بات کا علم مجھے اس بھنگی سے ہوا۔ اندازہ لگاؤ جب بھنگی کے ساتھ یہ حسن ادب ہے تو اپنے اساتذہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

طبقات شعرانی میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ؟ یہ دونوں حضرات تابعی تھے، تو امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل نہیں کہ ان حضرات کا نام بھی لیں، فیصلہ فضیلت کا تو بڑی چیز ہے، یہ حالت تھی اکابر کے ادب کی۔ (الافاضات الیومیہ)

امام شافعی رحمہ اللہ کی طالب علمی:

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس علم دین کو کوئی شخص مال ودولت اور عزت وجاہ سے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا، بلکہ اس میں صرف وہ شخص کامیاب ہوتا ہے جو تنگی عیش اور اساتذہ کے سامنے اپنے نفس کو حقیر کرنے اور علم وعلماء کی عزت کرنے کو اختیار کرے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگیا تھا، میری پرورش نہایت تنگی کے ساتھ میری والدہ کرتی تھیں، جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو میری

والدہ نے مجھے مکتب میں بٹھلا دیا، مگر ان کو اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ میرے استاذ کی کوئی مالی خدمت کرسکتیں، اس لیے میں نے ان کو اس پر راضی کیا کہ جس وقت آپ کہیں جائیں یا کسی ضرورت کی وجہ سے تعلیم نہ دے سکیں تو میں خلیفہ مکتب کے طور پر آپ کا کام کیا کروں، اس طرح میں نے قرآن مجید ختم کیا۔ (ثمرۃ الاوراق)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طالب علمی:

ابراہیم بن جراح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے خود سنا ہے، فرمایا کہ ہم نے بھی طلب علم کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے طلب علم کیا کہ ہم ان کو شمار نہیں کر سکتے، مگر علم سے نفع صرف اس شخص نے حاصل کیا جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا، مراد اس کی یہ تھی کہ طالب علمی کے وقت ابو یوسف رحمہ اللہ کے گھر والے ان کے لیے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے وہی صبح کے وقت کھا کر حلقہ درس میں پہنچ جاتے تھے اور پھر واپس آ کر بھی وہی کھاتے تھے کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہ کرتے تھے اور دوسرے لوگ حلوہ وغیرہ تیار کرنے میں مشغول ہو کر سبق کے ایک حصہ سے محروم رہ جاتے تھے۔ (ثمرات الاوراق)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اتنے بڑے کیسے بن گئے:

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے کسی نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب پر علم کہاں سے کھلا، مولانا نے فرمایا کہ اس کے اسباب متعدد ہیں، ایک تو سبب یہ ہے کہ مولانا فطری طور معتدل القویٰ اور معتدل المزاج تھے، پھر ان کے استاذ بے مثل تھے، پھر پیر کامل ملے جن کی نظیر نہیں، ان کی وجہ سے فن کی حقیقت منکشف ہوگئی، اساتذہ کا ادب بہت کرتے تھے، اور متقی بہت تھے، جب اتنی چیزیں جمع ہوں پھر کیوں نہ کامل ہوں۔ (حسن العزیز، ج:۳،ص:۳۹۸،ملخصاً)

مولانا قاسم صاحب رحمہ اللہ نانوتوی کے ادب کا حال:

مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کے تفوق علمی کے بہت سے اسباب ہیں، من جملہ ان کے ایک سبب یہ ہے کہ وہ اپنے استاذوں کا ادب بہت کرتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک گندہی (بھنگی) مولانا سے ملنے گیا اور کہا کہ میں تھانہ بھون کا رہنے والا ہوں، بس یہ سن کر مولانا پر بے حد اثر ہوا، اس کی خاطر و مدارات میں بچھے جاتے تھے، محض اس لیے کہ وہ تھانہ بھون کا رہنے والا تھا جو وطن تھا اپنے مرشد کا، افسوس ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اکابر کے جاہل ہم وطنوں کا اتنا ادب کرتے تھے اور آج کل خود اکابر کا بھی ادب نہیں کیا جاتا۔ (التبلیغ، کوثر العلوم)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حسن ادب:

حضرت تھانویؒ سے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن پاک پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی گئی تو اس پر حضرت نے فرمایا: ”تقریظ لکھنا تو اس کا حق ہے جو ایک طرف مدح پر قادر ہو، تو دوسری طرف قدح بھی کرسکتا ہو اور ہم تو حضرت کے شاگرد ہیں، ہم تو ان کی ہر چیز کی مدح ہی کریں گے، اگر ہم تقریظ لکھیں اور مدح کریں تو گویا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم قدح بھی کرسکتے ہیں اور اس کا بھی حق رکھتے ہیں اور اس کا قبیح و شنیع ہونا ظاہر ہے، چوں کہ حضرت استاذ کی قدح گوشۂ تصور میں لانا بھی سوءِ ادبی، بے ادبی اور خلافِ ادب ہے“۔ (افادات مسیح الامت)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب اور ذوق مطالعہ:

حضرت مولانا تقی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کو جب مدرسہ میں کھانے اور آرام کا وقفہ ہوتا تو میں اکثر دارالعلوم کے کتب خانے میں چلا جاتا تھا، وہ وقت ناظم کتب خانہ کا آرام کا ہوتا تھا، اس لیے ان کے لیے یہ ممکن نہ تھا

کہ وہ میری وجہ سے چھٹی کے بعد بھی کتب خانے میں بیٹھے رہیں، چناں چہ میں نے انہیں باصرار اس بات پر آمادہ کرلیا کہ دوپہر کے وقفہ میں جب وہ گھر جانے لگیں تو مجھے کتب خانے کے اندر چھوڑ کر باہر سے تالا لگا جائیں، چناں چہ وہ ایسا ہی کرتے اور میں ساری دوپہر علم کے اس رنگا رنگ باغ کی سیر کرتا رہتا تھا، فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو میری نظر سے نہ گذری ہو، اگر کسی کتاب کو میں نے پورا نہیں پڑھا تو کم از کم اس کی ورق گردانی ضرور کرلی تھی، یہاں تک کہ جب تمام علوم وفنون کی الماریاں ختم ہوگئیں، تو میں نے ان الماریوں کا رخ کیا جنھیں کبھی کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا، ان الماریوں میں چوں کہ موضوع کے لحاظ سے کوئی ترتیب نہ تھی، اس لیے اس جنگل میں داخل ہونا لوگ بے سود سمجھتے تھے، میں نے اس جنگل کو بھی کھنگالا اور اس کے نتیجے میں ایسی ایسی کتابوں تک میری رسائی ہوئی جو گوشۂ گم نامی میں ہونے کی بنا پر قابل استفادہ نہ رہی تھیں، کتب خانہ کے اس سروے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے وسیع وعریض کتب خانے میں مجھے بحمد اللہ یہ معلوم رہتا تھا کہ کون کونسی کتابیں کس موضوع پر اور کہاں رکھی ہیں؟ چناں چہ بسا اوقات ناظم کتاب خانہ کسی کتاب کی تلاش سے مایوس ہوجاتے، تو مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ فلاں کتاب کہاں ملے گی۔ (اسلاف کی طالب علمانہ زندگی: ۱۱۶، ۱۱۷)

(حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ) فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہمیں دورۂ حدیث میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہوجانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا، فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہوجاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے، اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازے میں داخل ہو اور اس وقت مطالعے کو کام میں لاکر علم میں وسعت وگہرائی پیدا کرے، چناں چہ فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے زیر ہدایت ہم نے اپنے دو سال کتب بینی میں صرف کیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ کتاب سے والد صاحب رحمہ اللہ کے عشق کا عالم یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا تو ابتدائی تن خواہ پندرہ روپے ماہانہ مقرر ہوئی اور جب ۱۳۶۲ھ میں آپ نے دارالعلوم سے استعفیٰ دیا تو اس وقت ترقی ہوتے ہوئے پینسٹھ روپیہ ماہانہ تک پہنچے تھے، اس تن خواہ کے ساتھ آپ نے اپنا جو ذاتی کتب خانہ جمع کیا وہ تقریباً بارہ طویل وعریض الماریوں میں سماتا ہے۔ (مطالعہ کی اہمیت)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے زمانہ طالب علمی کے معمولات:

جب حضرت دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے لیے آئے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چار معمول تھے:

پہلا: تو یہ تھا کہ انہوں نے اپنے لیے کچھ ساتھی منتخب کرلیے تھے اور ان سے معاہدہ کرلیا تھا کہ عشاء کے بعد نہ تکرار کریں گے نہ مطالعہ کریں گے، بلکہ فوراً سو جائیں گے، اور اخیر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھیں گے اور اس کے بعد مطالعہ اور تکرار کریں گے، چناں چہ ان کے سب ساتھی اس کے پابند ہوگئے۔

دوسرا معمول یہ تھا کہ منڈی میں جو دیوبند کا بازار ہے وہاں چوراہے پر تحصیل کے سامنے عصر کی نماز کے بعد روزانہ وعظ فرماتے تھے، قرآن شریف کی آیات تلاوت فرماتے اور ہر روز پابندی سے وعظ فرماتے، ایک آدمی آجائے جب بھی دس آدمی آجائیں جب بھی، بیس آدمی آجائیں جب بھی، سردی پڑ رہی ہو یا گرمی، بلاناغہ ہر جمعرات کو وعظ بیان کرنے کا معمول تھا، اسی لیے حضرت نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں پورے قرآن شریف کا وعظ وہاں سنایا۔

تیسرا معمول یہ تھا کہ جمعے کا دن منتخب کر رکھا تھا اساتذہ کی خدمت میں حاضری

کے لیے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں ایک گھنٹہ، حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ کی خدمت میں ایک گھنٹہ اور مولانا منفعت علی صاحبؒ کی خدمت میں ایک گھنٹہ، غرض جتنے اساتذہ تھے جمعہ سے پہلے ایک ایک گھنٹہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور یہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوکر فرماتے کہ میرے متعلق جو خدمت ہو میں حاضر ہوں۔

کبھی مولانا منفعت علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ برسات آگئی ہے، چھت پر مٹی پڑے گی، ذرا مٹی ڈلوادو، یہ سنتے ہی حضرت مولانا جاتے اور گدھوں پر مٹی لاد کر لاتے اور چھتوں پر ڈال کر پیٹتے، جب یہ کام انجام پاچکتا تو لکڑیوں کے ٹال پر جاتے، وہاں سے لکڑیاں لاد کر لاتے، طلبہ کو بلاتے اور لکڑیاں لاکر ان کا چٹہ لگادیا کرتے، جس استاذ نے جو کام بتادیا وہ کام کردیا، اور اگر کوئی علمی بات معلوم کرنی ہوتی یا کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو پوچھ لیا کرتے، یہ مولانا کا تیسرا معمول تھا۔

چوتھا معمول یہ تھا کہ حجرے میں ایک گھڑا رکھ چھوڑا تھا جو خط آتا بغیر پڑھے ہوئے اسی گھڑے میں ڈال دیا کرتے، ایک سال میں جو دس بیس خط جمع ہوجاتے ان کو سالانہ امتحان سے فارغ ہوکر پڑھتے، کسی میں یہ لکھا ہوتا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا ہے، فلاں کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ، پھر تھانہ بھون پہنچ کر کسی کے یہاں تعزیت کے لیے حاضر ہوتے اور کسی کے یہاں تہنیت اور مبارکبادی کے لیے سب لوگ کہتے کہ بھائی ہم نے خط لکھا تھا، مگر تم نے جواب بھی نہیں دیا، تو حضرت فرماتے کہ میں پڑھنے گیا تھا، کتابیں پڑھنا میرا موضوع تھا، ان کو پڑھنا خطوط پڑھنا میرا موضوع نہیں تھا، میں خطوط کو گھڑے میں ڈال دیتا تھا، امتحان سے فارغ ہوکر ان کو پڑھا، اب میں خدمت میں حاضر ہوا ہوں، یہ چار معمول تھے، اسی سے شغف معلوم ہوتا ہے علم کا، ان کو کتابوں کے پڑھنے سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ عزیز واقرباء کے خطوط کو پڑھیں۔

اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے خصوصی امتیازات

اللہ تعالیٰ نے اکابر علمائے دیوبند کو گوناگوں کمالات وامتیازات سے نوازا تھا، وہ توکل واستغناء، صدق وصفا اور اخلاص وللّٰہیت کا پیکرِ جمیل اور تواضع وفروتنی، تقویٰ وطہارت اور اعتدال کا مظہر جمیل تھے، سطورِ ذیل میں اکابر دیوبند کی مذکورہ امتیازی خصوصیات پر مشتمل چند واقعات پیش کیے جارہے ہیں۔

توکل علی اللہ سے ہر چیز ملتی ہے:

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

علماءِ کرام کا سب سے بڑا کام توکل اور استغناء ہے، اسی میں سب کچھ ہے، آپ کے لیے دین بھی دنیا بھی، چاہے تھوڑی ملے گی، مگر ضرور ملے گی، ممکن ہے کہ آپ لکھ پتی یا کروڑ پتی نہ ہوسکیں، لیکن سینکڑوں کروڑ پتی آپ کے قدموں کے سامنے جھکیں گے، اگرچہ آپ کروڑ پتی نہیں تو کروڑ پتی بن جانا کوئی کمال کی چیز بھی تو نہیں، کروڑ پتی کو اپنے سامنے جھکانا یہ کمال کی چیز ہے، اگر آپ کے پاس کار نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ساری دنیا کی کاریں آپ کی کاریں ہیں، جہاں گئے کار حاضر ہے، پھر ہمیں کار کی مصیبت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج:۲رص:۳۹۷)

اہل علم کو استغناء کی ضرورت:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''وہ دنیا کو لے کر تم سے مستغنی ہوگئے، تم دین لے کر ان سے مستغنی ہوجاؤ، میں خدا کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم اہل دنیا سے مستغنی ہوجائیں تو خدا تعالیٰ ان کی

غیب سے مدد کریں اور بلکہ خود ہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں، اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے اور ان کے محتاج ہوں گے، کیوں کہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لیے کم وبیش دنیا کی ضرورت ہے دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، رئیس ہو یا غریب اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں تو کیا ان کو ہر امر میں موت میں، حیات میں، نماز میں، روزے میں، سب میں علماء کی احتیاج ہوگی، اور اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی ضرورت نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں، غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے، پس علماء کو بالکل استغناء کرنا چاہیے، اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہیے، ہم لوگوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے، اگر خدا تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے، بعض عالموں نے اپنا طرزِ عمل ایسا کر دیا کہ اہل دنیا کو ان کی بدولت خود علم سے نفرت ہوگئی، یعنی بعض علماء نے امراء سے ملنا اور اختلاط کرنا اس قدر بڑھا دیا اور اس کی وجہ سے ان امراء کے ہاں میں ہاں ملانے لگے کہ ان کو دیکھ کر اہل دنیا نے سمجھا کہ سب عالم ایسے ہی ہوتے ہوں گے''۔ (دعوات عبدیت)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی شان استغناء:

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث کے دورہ میں ستر ستر طالب علم ہوتے تھے، ان کا کھانا بھی کپڑا بھی، مگر کچھ فکر ہی نہیں، نہ تحریک نہ کبھی کسی سے فرمایا، ایک کمرہ بھی نہیں بنوایا، جب وہاں کی جامع مسجد تیار ہوئی ہے مولانا کو اس کا بڑا اہتمام تھا، مگر باوجود اس کے بھی کسی کو نہیں کہا، نواب محمود علی خاں نے عریضہ بھیجا کہ تخمینہ کر کے بھجوا دیئے، مولانا نے صاف جواب دے دیا کہ مجھے فرصت تخمینہ کرانے کی نہیں، نہ

میرے پاس آدمی، اگر آپ کا دل چاہے خود اپنے آدمی سے تخمینہ کرا لیجئے، دیکھئے، لوگ ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھا کرتے ہیں، لیکن وہ کیوں غنیمت سمجھتے جس کے پاس اس سے زیادہ غنیمت یعنی حضرت حق موجود ہوں، مولانا نے صاف ٹکا سا جواب دے دیا کہ اگر چاہتے ہو تو اپنا ہی آدمی بھیج کر تخمینہ کرا لو، یہ شان علماء کی ہونا چاہیے، حضرت کے وہاں نہ چندہ تھا، نہ کچھ تھا، پھر بھی ہر وقت خندہ ہی خندہ تھا، مولانا کے یہاں لوگوں نے مسجد بنوانا چاہی صاف فرما دیا کہ میرے بھروسے نہ بنوانا میں کسی سے نہ کہوں گا۔ (حسن العزیز، ج:۱رص:۳۹۵)

توکل واستغناء:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جو درس حدیث کا سلسلہ اپنے یہاں گنگوہ میں جاری کر رکھا تھا وہ سب توکل پر تھا، چناں چہ جب وہ درس بند ہوا، کیوں کہ مولانا کی بینائی جاتی رہی تھی، تو اس کے بعد جب کبھی باہر سے بڑی بڑی رقمیں آئیں تو مولانا نے سب واپس کر دیں کہ اب درس نہیں رہا، بعض بعض لوگوں نے مولانا کو رائے بھی دی کہ حضرت یہ رقمیں واپس کیوں کی جاویں، صاحب رقم سے کسی دوسرے مصرف خیر کی اجازت لے کر اس میں صرف فرما دیجیے گا تو حضرت نے فرمایا کہ میں لوگوں سے اجازت لیتا پھروں، پھر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ واقعی اجازت لینا تو ایک قسم کا سوال ہے، اس لیے صاحب رقم کو خود چاہیے کہ وہ واپسی کے بعد پھر کہنے لگے کہ اس رقم کو مکرر بھیجتا ہوں اور اس کو فلاں مصرف خیر میں صرف فرما دیا جاوے، پھر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ ایک بار نواب محمود علی خان صاحب کو بھی لکھوایا (حضرت کے زمانے میں جامع مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی، اس کی امداد کے لیے رقم درکار تھی) انھوں نے مولانا کی خدمت میں تحریر فرمایا کہ آپ اپنے کسی آدمی سے تخمینہ کرا کر مجھ کو مطلع

کر دیجیے، مگر حضرت مولانا نے اپنی آزاد مزاجی سے صاف تحریر فرما دیا کہ میرے پاس کوئی آدمی نہیں، اگر تخمینہ کرانا ہے تو کسی انجینیر کو بھیج کر تخمینہ کرا لیجیے اور انتظام کے لیے کوئی اپنا کارندہ بھیج دیجیے، مولانا کا بس وہ مذاق تھا اور سب مقتداؤں کا یہی ہونا چاہیے''۔ (حیرت انگیز واقعات)

علم کی عزت استغناء میں ہے:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

''ہمارا فرض ہے کہ ہم علم کی عزت کریں اور جتنی علم کی عزت کریں گے اتنا عالم کی عزت ہوگی، جتنا وہ اپنے علم کی بے حرمتی کرے گا خود عالم کی بے حرمتی پیدا ہوتی جائے گی، اگر ایک عالم خود اپنے علم کی عظمت نہ کرے تو دوسروں کو کیا مصیبت پڑی کہ اس کے علم کی عزت کریں، پہلے اسے اپنے وقار کو سنبھالنا ہے، جب وہ اپنے وقار کو محسوس کرے گا تو دنیا اس کے وقار کے آگے جھکنے کے لیے مجبور ہوگی، اور اگر وہ خود ہی علم کو ذلیل کرے تو پھر اس کی عزت کرنے والا کوئی نہیں، امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے فرمائش کی کہ امین اور مامون کو موطا پڑھا دی جائے تو کہا کہ کیا آپ تشریف لائیں گے، فرمایا کہ علم کا یہ کام نہیں کہ وہ در بدر پھرے، علم کے طالب کا کام ہے کہ وہ اس کے پیچھے پھرے، اور فرمایا کہ یہ علم تمھارے گھر سے نکلا ہے، اگر تم ہی اس کا احترام نہیں کرو گے تو دنیا میں کوئی احترام کرنے والا نہیں ہوگا۔

تو عالم کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے علم کی عزت کو باقی رکھے اور وہ عزت استغناء میں ہے، جتنا دوسروں کی طرف حاجت مندی اپنے اندر بڑھائے گا علم کو بھی ذلیل کرے گا خود بھی ذلیل ہوگا، اس کے اندر اگر طلب ہو تو صرف آخرت کی ہو، دنیا کی نہ ہو۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج:۲/ص:۳۸۶)

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا استغناء:

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ایک دفعہ رام پور تشریف لے گئے، نواب صاحب کو خبر ہوئی تو مولانا کو بلایا، مگر مولانا نہیں گئے، اور یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں، آداب شاہی سے واقف نہیں، خدا جانے کیا بے ادبی ہو جائے، نواب صاحب نے کہا کہ آپ کو آداب وغیرہ سب معاف ہیں، آپ تشریف لائیے، ہم کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے، مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے کہ ملنے کا اشتیاق تو آپ کو ہو اور آؤں میں، غرض نہ گئے، باوجود ایسی آزادی کے روڑکی میں مجسٹریٹ سے ملنے سے انکار نہ کیا، کیوں کہ مجسٹریٹ سے ملنے میں دینی مصلحت تھی۔ (حسن العزیز، ج:۱/ص:۶۹، ۷۰ ملخصاً)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا استغناء:

ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد دکن کے مولوی نواب فیض الدین صاحب ایڈووکیٹ کی لڑکی کی شادی میں تشریف لے گئے، چوں کہ نواب صاحب اور ان کے خاندان کو علمائے دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا، اس لیے شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے، دورانِ قیام بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحب اور نظام حیدر آباد دکن کی ملاقات ہو جائے، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی فرمایا:

''مجھ کو ملنے میں عذر نہیں، لیکن اس سفر میں نہیں ملوں گا، کیوں کہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت تھا اور بس، اور میں اس مقصد کو خالص ہی رکھنا چاہتا ہوں''

چناں چہ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام حیدر آباد دکن کا بھی ایماء تھا، مگر حضرت شاہ صاحب کسی طرح رضا مند نہیں ہوئے۔ (حیات انور:۱۷۴)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا تواضع

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ایک مرتبہ حدیث کا درس فرمارہے تھے کہ صحن میں بارش آگئی، تو تمام طلبہ کتابیں لے کر مکان کی طرف کو بھاگے، مگر حضرت مولانا سب کی جوتیاں جمع کررہے تھے اور اٹھا کر چلنے کا ارادہ تھا کہ لوگوں نے دیکھ لیا، سبحان اللہ ان حضرات میں نفس کا تو شائبہ بھی نہ تھا بلکہ نہایت سادگی اور بے نفسی تھی۔

(حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا کمالِ احتیاط:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری وترمذی کے محشی جب مظاہر العلوم کی قدیم تعمیر کے چندے کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے خصوصی تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد وخرچ کا مفصل حساب مدرسے میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں مولانا زکریا رحمہ اللہ نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا، اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی، چندے کی نہیں تھی، اس لیے وہاں کی آمد ورفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کرلیا جائے۔ (آپ بیتی، ج:۱/۴۱)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کا کمال احتیاط:

حضرت مولانا محمد یحییٰ قدس سرہ کے زمانے میں مدرسے کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسے کے قریب کسی طباخ کی دکان تھی، جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دکان

سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے، خصوصاً شام کو کھانا ٹھنڈا ہوجاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسے کے حمام کے سامنے اندر نہیں، بلکہ باہر رکھوادیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہوجاتا تھا تو ہر ماہ دو تین روپے یہ فرماکر چندے میں داخل کرتے تھے کہ مدرسے کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔ (آپ بیتی، ج:۱/ص:۴۳)

حضرت شیخ الہندؒ کی تواضع:

مولانا محمود صاحب رام پوری فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل، دیوبند میں کسی کام کو گئے، میں حضرت شیخ الہند کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چارپائی دے دی گئی، جب سوگئے تو رات کو میں دیکھا مولاناؒ زنانہ سے تشریف لائے، میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کرکے کیوں پریشان کروں، میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے شروع کیے، وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا، مولانا محمودؒ کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں، میں دباؤں گا، مولاناؒ نے فرمایا کہ تم جاکر سوؤ، یہ میرے مہمان ہے، میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا، مجبوراً میں چپ رہ گیا، اور مولاناؒ اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔

ہائے ایسی ہستیاں اب کہاں؟ آج تو حالت یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا گلا کاٹنے کو دوڑتا ہے، ایک عالم دوسرے عالم کی ٹانگ کھینچنے کی فکر میں ہے، غیر مسلموں کی خدمت کا تو تصور بھی محال ہے۔

(خزینہ:۱۶۹،۱۶۰)

خدمتِ خلق کا عجیب واقعہ:

حضرت مولانا مظفرحسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے، ان کے علم وفضل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ کے ہم سبق ہیں، وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جارہا تھا، بوجھ زیادہ تھا وہ بمشکل چل رہا تھا، حضرت مولانا مظفرحسین صاحبؒ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچادیا، اس بوڑھے نے ان سے پوچھا ''اجی! تم کہاں رہتے ہو؟'' انہوں نے کہا کہ ''بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں'' اس نے کہا: ''وہاں مولوی مظفرحسین بڑے ولی ہیں'' اور کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا: ''اور تو اس میں کوئی بات نہیں'' ہاں نماز پڑھ لے ہے!'' اس نے کہا ''واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟'' مولانا نے فرمایا ''میں ٹھیک کہتا ہوں'' وہ بوڑھا ان کے سر ہوگیا، اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولانا کو جانتا تھا اس نے بوڑھے سے کہا ''بھلے مانس! مولوی مظفرحسین یہی ہیں'' اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

یہی وہ شخصیات تھیں جن کے اخلاق سے متاثر ہوکر غیر مسلم بھی حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے تھے۔ (خزینہ:۱۵۸،۱۵۹)

اکابر علماء دیوبند کی خداترسی اور اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ:

سیدالطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے جب رد بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت کی طرف سے سب وشتم کی بوچھاڑ ہوئی۔ بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب وشتم سے بھرے ہوئے یکے بعد

دیگرے شائع ہوتے تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی، مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ) حضرت رحمہ اللہ کے خادم خاص اور معتمد تھے، آنے والی ڈاک کو پڑھ کر سنانے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جوان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔ کچھ دن ایسے گزرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ایسا کوئی رسالہ نہیں سنایا تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا، مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے ہیں مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ ان میں تو گالیاں بھری ہیں، آپ رحمہ اللہ نے اول فرمایا:

> ''ارے میاں کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ ضرور سناؤ، ہم تو اس نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابل قبول ہو تو قبول کریں۔ ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں''۔ (انتہیٰ)

یہ ہیں وہ حق پرست خداترس علماء جن کا کسی سے اختلاف بھی ہوتا تو خالص حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اور مخالفین کی سب وشتم کے وقت بھی جذبۂ انتقام اور اپنے نفس سے مدافعت اور تاویلات ڈھونڈنے کے بجائے اپنی اصلاح اور حق طلبی کی راہ نکال لیتے ہیں، کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جنھوں نے ان بزرگوں پر اتہامات لگا کر بدنام کیا اور عوام کو ان کی تصانیف پڑھنے سے، ان کے پاس جانے سے روکا، اور حقیقت یہ ہے کہ جو دور دور بدگمانی قائم کرکے نہیں بیٹھ گیا، انصاف کے ساتھ ان حضرات کی کتابوں کو پڑھا، ان کی صحبت سے مستفیض ہوا، اس کو اشکالات کا جواب خود بخود مل گیا۔

اختلافی معاملات میں اگر یہ روش اختیار کرلی جائے تو مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کے فتنے ختم ہوجائیں، اختلاف کی حد میں رہے، مگر اس کے لیے خداترسی اور بےنفسی کی ضرورت ہے، جس کا آج کل قحط ہے۔ (مجالس حکیم الامت:۳۴،۳۵)

اصاغر نوازی اور اختلاف کی حدود:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک آزادی ہند کے امام تھے، اس وقت کی سیاسی تحریکات نے ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقفیت اور بے پرواہ لیڈروں کی شمولیت سے اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہ رہی تھی۔ اس لیے شیخ الہندؒ کو ایک جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' قائم کرنے پر مجبور ہونا پڑا تاکہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہ نمائی کی وجہ سے ان منکرات اور خلاف شرع امور سے نجات ملے، جس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ ہی کی صدارت میں ہوا اور اس کے خطبہ صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا۔

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہو چکا تھا جن کی اکثریت سے علماء کے اتباع اور حدود شرعیہ کی رعایت کی امید نہ تھی، خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا ان سے کسی حال یہ امید نہ تھی کہ اس کے نتیجے میں کوئی اسلامی حکومت بن سکے۔ اس لیے آپ ان تحریکات سے الگ رہے۔

دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ کی بنا پر تھا اور اختلاف کے اصلی حدود کے اندر تھا، حضرت حکیم الامت تو شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کا انتہائی ادب واحترام رکھتے ہی تھے، خود حضرت استاذ کا بھی یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسۂ خلافت کی صدارت کے لیے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی اور اس زمانے میں حضرت اکثر اس طرح کے جلسوں کے لیے سفر کر رہے تھے، مگر اہل تھانہ بھون کی درخواست پر فرمایا:

''اور جہاں کہیں آپ جلسہ کراوئیں میں شریک ہوں گا، مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں، کیوں کہ مولانا تھانوی کو میری رائے سے جو اختلاف ہے وہ دینی اور شرعی وجوہ پر ہے، اگر میں وہاں جلسہ پر گیا تو وہ اپنی فقہی اور شرعی رائے

کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں گے اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا''۔ (مجالس حکیم الامتؒ: ۲۱ ملخصاً)

حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ کا تقویٰ:

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتہ میں ایک بزرگ تھے، ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیوبند کی ایک امانت ضائع ہوگئی تھی سفر میں کسی نے چرالی اور رقم ذرا زیادہ تھی، انھوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کر دی کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہوگئی لیکن میں ضمان ادا کروں گیا، مدرسے والوں نے چاہا کہ مولوی صاحب سے ضمان نہ لیں کیوں کہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انھوں نے قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور ایسی حالت میں شرعاً امین پر ضمان نہیں، چناں چہ ان سے کہا گیا تو انھوں نے اس کو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بدون ضمان دیے چین نہ آئے گا، مدرسے والوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی منیر صاحب نہیں مانتے، مدرسے کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ فتویٰ لکھ دیں تو شاید مان جائیں؛ کیوں کہ مولانا گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتویٰ پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا، حضرت نے فتویٰ لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو، تو اس پر شرعاً ضمان نہیں، مدرسے والوں نے یہ فتویٰ مولوی منیر صاحب کو لا کر دکھلا دیا سو حالاں کہ مولوی محمد منیر صاحب، مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے، مگر اس وقت یہ فتویٰ دیکھ کر ان کو جوش آیا اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجہ میں کہا بس میاں رشید احمد نے سارا فقہ میرے ہی واسطے پڑھا تھا، ذرا وہ اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں اگر ان کے ہاتھ مدرسہ کی امانت ضائع ہو جاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتویٰ پر عمل کرتے یا بدون ادا کیے چین نہ آتا، لے جاؤ، میں کسی کا فتویٰ نہیں دیکھنا چاہتا، حضرت نے نہیں مانا اور زمین بیچ کر یا نا معلوم کس طرح مدرسے کی رقم لوٹا دی۔ (اصلاح انقلاب، ج۲ص:۱۹۲)

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟

دارالعلوم دیوبند کسی متعصب فرقے کا نام نہیں، نہ یہ کوئی سیاسی جماعت ہے، نہ کوئی ایسا گروہ یا جتھہ ہے، جو ہر حق وناحق میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لیے قائم کیا گیا ہو، اور نہ کوئی یہ بحث ومناظرہ کی کوئی ٹیم ہے، جو صرف کسی خاص فرقے کی تردید کے لیے معرضِ وجود میں آئی ہو، بلکہ درحقیقت دارالعلوم دیوبند قرآن وسنت کی اس تعبیر کا نام ہے، جو صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور اسلافِ امت کے ذریعہ ہم تک پہونچی ہے۔

یہ اس علم کا نام ہے، جو بزرگانِ دین نے پیٹ پر پتھر باندھ کر ہم تک پہونچایا ہے، یہ سیرت وکردار کی اس خوشبو کا نام ہے، جو صحابہ وتابعین کی سیرتوں سے پھوٹی ہے، یہ اس جہد وعمل کا نام ہے، جس کا سرا بدر واُحد کے میدانوں تک پہونچتا ہے، یہ اس اخلاص وللّٰہیت، تواضع وسادگی، تقویٰ وطہارت اور حق گوئی وبے باکی کا نام ہے، جو تاریخ اسلام کے ہر دور میں علمائے حق کا طرّۂ امتیاز رہی ہے، پچھلی صدی میں دارالعلوم دیوبند کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں ان علمی وعملی اوصاف کو زندہ کیا اور ایسے انسان پیدا کیے جو ان اوصاف کے جیتے جاگتے پیکر تھے۔

لہٰذا جو شخص ان اوصاف سے متصف ہے، جسے ان خطوط پر پہلے اپنی اور پھر ساری امت کی اصلاح کی فکر ہے، وہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہے، خواہ ظاہر طور پر اس نے دارالعلوم دیوبند کو دیکھا بھی نہ ہو، اور جو شخص ان اوصاف سے بےفکر اور اس مشن سے بے پرواہ ہے، اس کا دارالعلوم دیوبند سے کوئی تعلق نہیں، خواہ ظاہری طور سے اس کے پاس دارالعلوم دیوبند کی سند اور دستار کیوں نہ موجود ہو۔

(جہانِ دیدہ، مولفہ: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ، ص: ۱۱۵)

مدارس اسلامیہ اپنا داخلی نظام بہتر بنائیں

مجلس عمومی کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم الشان اجلاس، مدارس اسلامیہ کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ گذشتہ چند سالوں کے دوران عالمی اور ملکی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں نے مدارس اسلامیہ اور تمام مسلمانوں کے لیے نئے چیلنج کھڑے کردیے ہیں، ایک طرف مسلمانوں کو مشتعل کرنے اور انھیں غیرضروری معاملات میں الجھانے کی ناروا کوششیں جاری ہیں، دوسری طرف ان کے شفاف کردار کو مشتبہ بنانے اور ہر قسم کا نقصان پہنچانے کی سازشیں ہورہی ہیں اور مجموعی اعتبار سے ایسا ماحول پیدا کیا جارہا ہے جس میں مسلمان یا تو مایوسی کا شکار ہوکر پیچھے ہٹ جائیں یا مشتعل ہوکر منفی ذہنیت کا شکار ہوجائیں۔

ایسے حالات میں مدارس اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک طرف تو مسلمانوں کی صحیح رہ نمائی کریں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کو بتائیں کہ مسلمان کا کام نہ تو مایوس ہونا ہے اور نہ مشتعل ہونا، بلکہ ایک اچھا مسلمان، ہر قسم کی صورت حال کا سامنا پورے تحمل وتدبر اور دانش مندی سے کرتا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے، اس لیے مسلمان کسی منفی پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں اور اپنے بچوں کی دینی وعصری تعلیم پر بھرپور توجہ دیں اور اپنے حقوق کے لیے آئینی جدوجہد جاری رکھیں اور اپنے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرکے اللہ کی مدد کے مستحق بننے کی کوشش کریں۔

دوسری طرف خود مدارس اسلامیہ اپنے نظام سے ہر قسم کی خامیوں کو دور کریں، اپنے تعلیمی وتربیتی نظام کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے تمام کاموں میں ایسی شفافیت لائیں کہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ مل سکے، مدارس کی جائداد اور حساب کتاب کو قانونی اعتبار سے مستحکم رکھیں، مشتبہ عناصر سے ہوشیار رہیں، اپنے علاقہ کی دینی

ضرورتوں کے ساتھ بلاتفریق مذہب عام انسانی ضرورتوں کی تکمیل میں بھی اپنا اخلاقی کردار ادا کریں، برادرانِ وطن سے مناسب تعلقات رکھیں اور حسب موقع ان کو مدارس میں دعوت دے کر مدارس کے پیغامِ امن وانسانیت سے واقف ہونے کا موقع دیں، غیر متعلقہ مسائل میں دل چسپی لینے سے اجتناب کریں اور اپنے مجموعی کردار سے اسلام کی بہترین نمائندگی کا فریضہ انجام دیں۔ (تجویز اجلاس عمومی: ۱۴۳۶ھ)

ادیانِ باطلہ اور فرقِ ضالّہ کے تعاقب کی ضرورت:

مجلس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کا یہ اجلاس، شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ موجودہ زمانے میں تمام باطل مذاہب اور گمراہ فرقے، پہلے سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ میدانِ عمل میں آگئے ہیں، اور وہ اپنے باطل افکار کو جس حوصلے کے ساتھ پھیلانے کے لیے سرگرم ہیں وہ تمام اہلِ حق کے لیے لمحہ فکریہ ہے، اس لیے یہ اجلاس مدارسِ اسلامیہ کو دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہے:

(۱) اسلام، اللہ رب العزت کا آخری اور پسندیدہ دین ہے، جس کے آنے کے بعد دیگر تمام مذاہب وادیان منسوخ ہیں، اب جو لوگ ان مذاہب کا دامن تھامے ہوئے ہیں ان کو حقیقت سے واقف کرانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بالخصوص اس صورت حال میں کہ وہ لوگ اپنے باطل مذاہب کی اشاعت کے لیے اس حد تک آگے بڑھ آئے ہیں کہ خود مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں، ایسے میں مدارسِ اسلامیہ کو پوری حکمت وسنجیدگی کے ساتھ اس میدان میں اپنا کردار ادا کرنا ضروری ہے؛ تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کی خوبیاں آئیں اور نہ صرف مسلمان اپنے دین وایمان پر ثابت قدم رہیں، بلکہ دیگر مذاہب کی تنگنائیوں میں محصور طبقہ بھی اسلام کی وسعت اور عدل وانصاف سے مستفید ہو سکے۔

(۲) مدارسِ اسلامیہ اور علماءِ امت کا یہ طبقہ جو مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ کا نمائندہ

اور حضراتِ اکابر دیوبند رحمہم اللہ کی فکرِ مستقیم کا وارث ہے، اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں شامل یا اسلام سے منسوب فرقِ ضالّہ کے تعاقب پر بھی پوری توجہ دیں، اور اس بات کو محسوس کریں کہ موجودہ زمانے میں یہ تمام فرقے دوبارہ پوری شدت کے ساتھ میدان میں اتر آئے ہیں، اور مسلمانوں کے تمام طبقات میں اپنے باطل افکار کی اشاعت کے لیے محنت کر رہے ہیں اور آزاد فکری کے اس دور میں مسلمانوں کی ایک تعداد ان کا شکار بھی ہو رہی ہے، ایسے حالات میں ان کی مدلل تردید اور مسلکِ حق کی اشاعت بھی مدارس کے فرضِ منصبی کا حصہ ہے؛ اس لیے اربابِ مدارس اس میدان میں بھی منظّم محنت پر توجہ مرکوز فرمائیں، خاص طور سے غیر مقلدیت، بریلویت اور شیعیت کی تردید کے لیے افراد سازی کی کوشش کی جائے۔

اسی طرح قادیانیت کا فتنہ بھی حسب سابق سرگرم ہے، اور اس میدان میں بھی ذمہ داری کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

ان موضوعات پر کام کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تحفظ ختم نبوت ،شعبۂ تحفظ سنت اور شعبۂ محاضرات سے رہنمائی اور تعاون حاصل کیا جائے۔

(تجویز اجلاس عمومی: ۱۴۳۶ھ)